مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۹ - نصف کے مستحق پانچ اشخاص ہوتے ہیں :

(۵) علاتی بہن ، جب کہ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ، اور علاتی بھائی اور پدری بہن بھی موجود نہ ہوں ۔

دفعہ ۲۴۲ - دو تہائی کے مستحق چار (۴) فرد ہیں :

(۴) دو یا دو سے زائد علاتی ہمشیریں ، بشرطیکہ ان کے ساتھ وہ لوگ موجود نہ ہوں جن کو حقیقی ہمشیروں میں بیان کیا گیا اور اخیافی (مادری) بھائی بھی موجود نہ ہو۔

مادری یا اخیافی بھائی بہن کی میراث

۲۷۷ - اخیافی بھائی بہن (ماں کی اولاد) کی میراث کی دو حالتیں ہیں :
جب کہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو نہ باپ ہو نہ دادا ۔

(۱) - ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو چھٹا حصہ ملے گا، اور

(۲) - دو یا دو سے زائد کےلئے ایک تہائی ہو گا جو مرد و عورت میں مساوی طور پر تقسیم ہو جائے گا ۔

تشریح

اخیافی بھائی یا بہن وہ بھائی بہن ہوتے ہیں جن کا رشتہ ماں کی طرف سے ہو اور باپ کی طرف سے نہ ہو۔ ان کو عام اصطلاح میں ''اولادالام،، بھی کہا جاتا ہے۔ (۱۱۰)

اخیافی بھائی بہن بھی ذوی الفروض میں شامل ہیں ، کیونکہ ان کے حصے بھی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مقرر فرما دیئے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ''اگر مرد یا عورت ہو اور (ورثا میں محض) اس کا اخیافی بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے ۔ (۱۱۱)

(۱۱۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۲۸-۲۷
فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۶، ص ۴۰۵
(۱۱۱) ۴ : ۱۲ (النساء) :
''وان کان یورث کلالۃ اوامرأہ ولہ اخ اواخت لکل واحد منھما السدس،،

''مادری (اخیافی) بہنوں کی میراث کے سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں منقول ہے کہ ایک اخیافی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور دو اور دو سے زائد کے لئے ایک تہائی (بحوالہ الاختیار) اور ساقط ہوجاتے ہیں، بھائی اور بہنیں، بیٹے اور پوتے سے، خواہ کتنے ہی نیچے سلسلہ سے ہوں اور باپ کی موجودگی میں بھی - اس میں تینوں ائمہ احناف کا اتفاق ہے۔ اور دادا کی موجودگی میں ساقط ہونے کے قائل امام (ابو حنیفہ) ہیں، اور باپ کی اولاد (یعنی علاتی بھائی بہنٰ) بھی انہیں لوگوں کے ذریعے ساقط ہو جاتی ہے اور حقیقی بھائی کے ذریعہ بھی - اور ماں کی اولاد یعنی اخیافی، ولد کے موجود ہونے سے خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی اور پوتے اور باپ اور دادا کے ذریعہ سے، بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہے (بحوالہ کافی) -

یعنی جب کسی میت کا بیٹا یا پوتا خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کا ہو یا باپ موجود ہو تو ہر سہ ائمہ احناف کے نزدیک میت کے حقیقی بھائی بہنیں میراث سے محروم ہو جائیں گے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دادا بھی باپ کے مثل محروم کردیتا ہے میت کے علاتی (پدری) بھائی بہنوں کو بھی یہ افراد اور حقیقی بھائی میراث سے محروم کر دیتے ہیں اور میت کے مادری (اخیافی) بھائی بہن بھی ان کے ذریعہ اور بیٹی کے موجود ہونے پر میراث سے محروم ہوجاتے ہیں -

اخیافی بھائی بہن کی میراث کی حالتیں :

اخیافی بھائی یا بہن کی میراث کی حسب ذیل چار حالتیں ہیں :-

(۱) یہ کہ ایک اخیافی بھائی یا بہن ہو تو اس کا حصہ چھٹا ہے، جب کہ میت کی اولاد (بیٹا بیٹی) یا بیٹے کی اولاد نہ ہو، نہ باپ ہو اور نہ دادا۔

(۲) اگر ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن موجود ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (یہ دونوں ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے) -

marfat.com

(۳) اسی طرح دو یا دو سے زائد اخیافی بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو ان سب کے لئے ترکہ کا کل تہائی حصہ ہے جس کو وہ بحصہ مساوی تقسیم کر لیں گے۔

(۴) اسی طرح اگر اخیافی بھائیوں کے ساتھ اخیافی بہنیں بھی ہوں تو سب اسی تہائی میں مساوی حقدار ہوں گے۔ مرد و عورت کے حصے میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ''اگر وہ (اخیافی بھائی بہنیں) ایک سے زائد ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہیں،، -(۱۱۲)

بشرطے کہ میت کا بیٹا، بیٹی، بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی نہ ہو۔

حجب حرمان :

چوں کہ اخیافی بھائی بہن قسم کلالہ سے ہیں اس لئے ان کی توریث میں بالاجماع یہ شرط رکھی گئی ہے کہ میت کے بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد یا باپ، دادا کوئی موجود نہ ہو، اس لئے اخیافی بھائی بہن حسب ذیل دو صورتوں میں بالاجماع محجوب (محروم) یعنی ساقط الارث ہوجاتے ہیں :-

(۱) جب کہ متوفی کا بیٹا، بیٹی یا بیٹے کی اولاد خواہ وہ کتنی ہی زیریں پشت کی کیوں نہ ہو، موجود ہو۔

(۲) جب کہ متوفی کا باپ یا دادا موجود ہو، خواہ کتنے ہی اوپر کا کیوں نہ ہو۔(۱۱۳)

اس مسئلے میں بشمول ظاھریہ (۱۱۴) اور شیعہ امامیہ (۱۱۵) علماء امت کا اتفاق ہے۔

---

(۱۱۲) ۴ : ۱۲ (النساء) :
''و ان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث،،

(۱۱۳) فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۶، ص ۴۰۵-

(۱۱۴) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، ص ۳۱۰

(۱۱۵) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۷

marfat.com

مصری قانون:

دفعہ ۱۰ - اخیافی ایک اولاد کے لئے ۱/۶ فرض ہے، اور دو یا زیادہ کے لئے ایک تہائی، ان کے مرد و عورت تقسیم میں مساوی حصہ دار ہوں گے، اور دوسری حالت میں، جب کہ ترکہ اصحاب فروض میں مستغرق ہو تو اخیافی اولاد کے ساتھ حقیقی ایک یا چند بھائی یا جب کہ ان کے ہمراہ بہن بھی ہو یا متعدد بہنیں ہوں، شریک ہوں گے اور ایک تہائی ان کے درمیان مساوی طریقے پر تقسیم کیا جائے گا۔

شام کا قانون:

دفعہ ۲٦۷ - مادری اولاد کے لئے اگر ایک ہو حصہ فرض ۱/۶ ہوگا، اور دو یا اس سے زائد کی صورت میں ۱/۳ ہوگا، تقسیم میں مرد و عورت برابر کے مستحق ہوں گے۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۰ - مادری بھائیوں کی تین حالتیں ہیں :-

(۱) ایک فرد کے لئے ۱/۶،

(۲) دو اور زائد کے لئے ۱/۳ مرد اور عورت تقسیم میں مساوی ہوں گے،

(۳) ساقط ہو جانا جب کہ میت کا بیٹا، پوتا، نیچے تک کا، بیٹی، پوتی نیچے تک کی، اور باپ یا دادا موجود ہوں۔

دفعہ ۱۰٦ - باپ شریک بہنوں کی چھ حالات ہیں :-

(۱) جب تنہا ایک ہو ۱/۲ ملے گا،

(۲) جب کہ دو یا زائد ہوں تو دو تہائی بشرطے کہ حقیقی ہمشیرہ موجود نہ ہو،

marfat.com

(۳) ایک حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ ۱/۶ ملے گا،

(۴) اور دو حقیقی بہنوں کے ساتھ جب کہ اس کا کوئی باپ شریک بھائی بھی اس کے ساتھ موجود ہو تو ان کو بطور عصوبت للذکر مثل حظ الانثیین،،ملے گا،

(۵) صلبی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی، اور

(۶) ساقط ہوں گی، جب کہ میت کا باپ، بیٹا، پوتا نیچے تک کا، حقیقی بھائی، حقیقی بہن، جب کہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں یا حقیقی بہنوں کے ہمراہ عصبہ قرار پاگئی ہوں بشرطیکہ ان کے ہمراہ باپ شریک بھائی نہ ہو۔

مراکشی قانون:

دفعہ ۲۴۳۔ تہائی کے مستحق تین وارث ہوتے ہیں:

(۲) مادری بھائی، بشرطیکہ متعدد ہوں اور میت کا باپ اور دادا صلبی کسی قسم کی اولاد اور پوتا، پوتی موجود نہ ہوں۔

دفعہ ۲۴۴۔ چھٹے حصہ کے مستحق سات (۷) وارث ہوتے ہیں:

(۵) مادری بھائی، بشرطیکہ تنہا ہو خواہ مرد ہو یا عورت، اور بشرطیکہ اس کے ساتھ میت کا باپ یا دادا، اور کسی قسم کی اولاد موجود نہ ہو۔

دادا (جد صحیح) کی میراث

۲۷۸۔ دادا باپ کی غیر موجودگی میں اسکی مثل میراث کا مستحق ہوگا، بجز ذیل کی صورتوں کے:

(۱) باپ کی ماں، باپ کی موجودگی میں محروم ہوگی دادا سے محروم نہ ہوگی۔

(۲) جب میت والدین اور زوجین میں سے کسی ایک کو چھوڑے تو ماں کو زوجین کا حصہ دینے کے بعد بقیہ کا ایک تہائی ملے گا، لیکن باپ کی جگہ دادا کی موجودگی میں ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ اور

(۳) حقیقی یا علاتی بھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہ ہوں گے بلکہ دادا کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا۔

marfat.com

تشریح

جد سے مراد جد صحیح ، یعنی دادا ہے، جس کے اور میت کے درمیان عورت واسطہ نہ ہو بلکہ مرد واسطہ ہو، جیسے میت کے باپ کا باپ اور اس سے اوپر کا سلسلہ۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) جد صحیح نہ ہوگا بلکہ جد فاسد (یا جد غیر حقیقی) کہلائے گا۔ (۱۱۶)

نانا کے لئے جب جد کا لفظ بولا جاتا ہے تو لفظ ''فاسد،، یا ''غیر حقیقی،، کی قید کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شریفیہ میں لکھا ہے کہ ''حقیقی دادا یا جد صحیح سے مراد وہ دادا ہے جو میت کے باپ کا باپ ہو اور جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں ماں بیچ میں نہ آئے،،۔ (۱۱۷) اگر میت تک نسبت کرنے میں ماں بیچ میں آئے تو وہ دادا غیر حقیقی ہے، جیسے میت کی ماں کا باپ۔ غیر حقیقی دادا ذوی الفروض میں شامل نہیں ہے۔ (۱۱۸) دادا کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کی عدم موجودگی میں سگڑ دادا وغیرہ اس کے قائم مقام ہوں گے یعنی باپ کے باپ، باپ یا باپ کے باپ کا باپ، علیٰ ہذا القیاس۔

اگر دادی نے نکاح ثانی کیا ہو تو اس کا نیا شوہر دادا نہ ہوگا نہ بحیثیت ذوی الفروض کے اور نہ بلحاظ ذوی الارحام کے۔ چنانچہ اسے کسی حال میں میت کا ورثہ نہ ملے گا۔ اس کو علم المیراث کی اصطلاح میں صرف دادی کا شوہر کہا جائے گا۔

دادا کی میراث کی حالتیں :

باپ کی طرح جد (دادا) کی بھی تین حالتیں ہیں :۔

''(۱) محض ذی فرض، (۲) ذی فرض و عصبہ ہونا، (۳) محض عصبہ ہونا،،۔

---

(۱۱۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۱۸) فتاویٰ عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، جلد ۶، ص ۳۰۳

marfat.com

۱- محض ذی فرض ہونا :

اگر جد کے ساتھ میت کی نرینہ اولاد ہو تو وہ ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے پائے گا۔

۲- ذی فرض و عصبہ ہونا:

لیکن اگر میت کی صرف مونث اولاد ہو تو ترکہ کا چھٹا حصہ ذی فرض کی حیثیت سے اور ذی فرائض کو ان کے حصے دینے کے بعد ما بقی ترکہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے دادا کو ملے گا۔

۳- محض عصبہ ہونا :

لیکن جب میت کی مذکورہ دونوں قسم کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو یا ایسے فروع موجود ہوں جو ذی فرض یا عصبہ نہ ہونے کے سبب وارث نہیں ہوسکتے جیسا کہ نواسہ، نواسی تو اس وقت دادا محض عصبہ ہونے کی حیثیت سے کل مال کا حقدار ہوجائے گا۔

اگر ورثاء میں صرف دادا اور دادی موجود ہوں تو دادی کا چھٹا حصہ دے کر بقیہ دادا لے لے گا، لیکن ایسی صورت میں دادی کا دادا کے ہم درجہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ دادی کی موجودگی میں دادا کے اوپر کے درجہ کی دادیاں محروم ہوجاتی ہیں۔

دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے:

مذکورہ بالا حالتوں میں جب کہ باپ موجود نہ ہو جد (دادا) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جد کے باپ کے قائم مقام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد آیات میں جد کو ''اب،، (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں بھی دادا کے لئے ''اب،، کا لفظ استعمال کیا گیا ہے،

marfat.com

بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کتاب الہٰہ میں اللہ تعالیٰ نے جد کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے ''اب'' کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ''یبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابو یکم من الجنۃ'' (۱۱۹) چنانچہ یہاں حضرت آدم جو تمام عالم انسانیت کے جد اعلیٰ ہیں ان کو ''اب (باپ)'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے ''ملۃ ابیکم ابراھیم'' (۱۲۰) ایک اور آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے دادا کو ''اب'' کے لفظ سے تعبیر کیا ''واتبعت ملۃ اباء ی ابراھیم و اسحق و یعقوب'' (۱۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ''ارموا بنی اسمعیل فان ابا کم کان رامیاً'' (۱۲۲) چنانچہ دادا کے حق میں باپ کے لفظ کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ میراث میں جو حکم باپ کا ہوگا، باپ موجود نہ ہونے کی صورت میں وہی حکم دادا کا ہونا چاہئے۔

لیکن قرآن پاک میں دادا کے لئے ''اب'' کا لفظ بولے جانے کی دلیل کے مقابلہ میں بہتر یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں جد کے باپ کے مانند ہونے کے متعلق اجماع صحابہ کی دلیل پر مسئلہ کا مدار رکھا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میراث میں دادا باپ کی مانند ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع کو بطور دلیل اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں چچا کے لئے بھی ''اب'' کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا قول کتاب اللہ میں اس طرح نقل کیا گیا ہے ''قالو انعبد الٰھک و الٰہ ابائک ابراھیم و اسمعیل و اسحق'' (۱۲۳) اور یہ واضح ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ لیکن یہاں کوئی شخص اس کا قائل

---

(۱۱۹) ۷ : ۲۷ (اعراف، ک)

(۱۲۰) ۲۲ : ۷۸ (الحج، م)

(۱۲۱) ۱۲ : ۳۸ (یوسف، ک)

(۱۲۲) تیر اندازی کرو، اے بنی اسماعیل، اس لیے کہ بلا شبہ تمہارے باپ بھی تیرانداز تھے

(۱۲۳) ۲ : ۱۳۳ (البقرہ، م)
انھوں نے کہا کہ ہم تیرے اللہ اور تیرے باپ ابراھیم و اسمعیل اور اسحاق کے اللہ کی عبادت کریں گے۔

نہیں ہے کہ چچا دادا کی طرح باپ کا درجہ حاصل کرکے اسی طرح میراث پائے گا جس طرح باپ میراث پاتا۔ لہذا قرآن پاک میں دادا کے لئے ''اب،، کا لفظ استعمال کرنا رواج عرب کی بناء پر تھا، باپ کے مانند استحقاق میراث کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں بن سکتا۔ اسی لئے راقم‌الحروف نے اس مسئلے میں اجماع صحابہ کی دلیل کو اوپر نقل کیا ہے۔

حضرت ابو بکر، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔(۱۲۳)

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہوگا، دادا میراث نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر جد قریب جد بعید کا میراث سے حاجب ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود کہ دادا کی میراث میں باپ کی مثل تین حالتیں ہیں وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے۔ مثلاً

(۱) باپ کسی صورت میں میراث سے محجوب (محروم) نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔ لیکن دادا باپ کے موجود ہونے سے محجوب ہو جاتا ہے جو کہ حجب حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے اسی طرح جد قریب جد بعید کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

(۲) باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ ان کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی۔

(۳) مسئلہ غراویہ یعنی جب کہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا

---

(۱۲۳) صحیح بخاری، امام بخاری، محمد بن اسمعیل، محولہ بالا، ج ۲، ص ۹۹۸

marfat.com

تہائی نہ ملے گا۔ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت سے میت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔(۱۲۵) البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ہی دیا جائے گا۔

(۴) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بھائی بہن محجوب ہو جائیں گے ، لیکن اگر باپ موجود نہ ہو اور دادا موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن محجوب ہوں گے۔ اس پر اجماع ہے۔ البتہ علاتی بھائی بہن کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علی و زید و ابن مسعود رضی اللہ عنہم شامل ہیں یہ مذہب ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علاتی بھائی بھی وارث ہوتے ہیں، اگر میت کے اولاد نہ ہو۔ اسی کو امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل و ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی و ابن ابی لیلی و ابن شبرمہ نے اختیار کیا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول علاتی بھائی بہن) ساقط ہوجائیں گے۔(۱۲۶) (اس مسئلہ پر ''مقاسمة الجد،، کے عنوان کے تحت تفصیلی بحث آگے آرہی ہے) ۔

میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن اور دادا :

جب کہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیاحکم ہوگا ؟ اس مسئلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کے درمیان خاصا اختلاف رہا ہے۔

شریفیه (شرح سراجیه) میں لکھا ہے کہ ''ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ

---

(۱۲۵) احکام الترکات و المواریث (فقہ عام) ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۸۵ - ۱۸۲
الشریفیه، شرح سراجیه، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

(۱۲۶) احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۱۷۶
احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیه، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۳
الشریفیه، شرح سراجیه، سید شریف جرجانی، محولہ بالا،ص ۱۹

marfat.com

اور صحابہ بشمول ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، ابی بن کعب، ابو موسی اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی و علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے نیز اکثر تابعین بشمول شریح، عطا، عروہ بن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔(۱۲۷)

اس کی تائید میں حضرت ابن عباس کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتا ہے مگر دادا کو باپ کے بجائے قرار نہیں دیتا،، ۔ مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے ۔ لہذا دونوں کا حکم بھائیوں کے محجوب کرنے کے سلسلہ میں ایک ہونا چاہئے۔ چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا بجائے باپ کے بھائیوں کے واسطے حاجب ہونا چاہئے۔(۱۲۸)

چنانچہ شریح و عمر بن عبدالعزیز و حسن بصری و داؤد بن علی الظاہری و عطا و عروہ ابن زبیر و ابن سیرین اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہ کا قول اختیار کیا، جو فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے ۔ (۱۲۹) امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ''المبسوط،، میں حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، ابی بن کعب، ابو موسی اشعری، عمران ابن حصین، ابو داؤد، عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضوان اللہ تعالی عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ

---

(۱۲۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

(۱۲۹) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۹۵

الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۲

marfat.com

تعالی عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر وقت تک کوئی رائے قایم نہ کر سکے تھے۔ (۱۳۰) اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ کا قول ہے کہ دادا، جب کہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی مثل ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی مثل ان لوگوں کا حاجب نہ ہوگا۔ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے البتہ دادا اخیافی (مادری) بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا۔ (۱۳۱) یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی، امام مالک و شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

"مقاسمة الجد" میں طریق توریث:

علم المیراث کی اصطلاح میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے "مقاسمہ" الجد" کی اصطلاح رائج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کے ساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے۔ صاحبین اور کے ان متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو مثل ایک بھائی کے شریک کیا جائے اور "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق میراث تقسیم ہوگی۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوئم کا عصبہ ہے، جب کہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے "الاقرب یحرم الابعد" کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ورثہ نہیں ملنا چاہئے۔

مقاسمہ" کا لفظ باب "مفاعلہ" سے آتا ہے جو قسمت سے ماخوذ ہے۔

---

(۱۳۰) "المبسوط" امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۸۰-۱۷۹
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۴
(۱۳۱) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۸۴-۸۲

یہاں اس کے معنی ''ورثاء کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کرا لینا یا کر لینا،، مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چوں کہ حضرت ابو بکر الصدیق، ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ ابن یمان، ابو سعید خدری، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل، ابو موسی اشعری اور عائشہ رضوان اللہ تعالی علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے، کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکہ کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی، لہذا اس مسئلے کو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمۃ کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ) کے مذہب کے مطابق چوں کہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے مسئلے کا نام ''مقاسمہ الجد،، رکھا گیا ہے۔ اور یہی متاخرین حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے، حضرت ابن مسعود و زید ابن ثابت و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علی کا مقاسمۃ الجد میں طریق توریث :

اگر چہ حضرت علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دیئے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے۔

حضرت علی کے نزدیک دادا کو چھٹا یا مقاسمۃ میں جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا۔ یعنی حضرت علی کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمۃ کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو ورنہ مقاسمۃ میں گھٹے تو چھٹا حصہ دیا جائے گا، کیوں کہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا۔

حضرت زید کے نزدیک دادا کو تہائی یا مقاسمۃ میں جو بڑا حصہ ہو وہ

marfat.com

ملے گا اور حضرت ابن مسعود کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جب کہ اور کوئی ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہوں تو حضرت علی کے نزدیک علاتی بھائیوں کا لحاظ نہیں کیا جائے گا چناں چہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمۃ کے طریقہ پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح حضرت علی کے نزدیک دادا بہنوں کو (جب کہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چناں چہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا ، حقیقی بہن اور علاتی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علاتی بہن کو چھٹا ملے گا ، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔(۱۳۲)

ابن مسعود کا طریق توریث :

حضرت ابن مسعود کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمۃ کیا جائے گا ، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے نہ گھٹے۔ اس میں وہ حضرت زید سے متفق ہیں اور اس میں کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی‌فرض ہو جائے گی، حضرت علی کے ساتھ موافقت کی ہے۔ لیکن حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی‌اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابت کا طریق توریث:

حضرت زید بن ثابت کے نزدیک دادا کو حقیقی و علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو مقاسمۃ یا کل مال کی تہائی ، جو زیادہ ہو، ملے گا۔

---

(۱۳۲) الشریفیۃ ، شرح سراجیہ ، سید شریف جرجانی ، محولہ بالا ، ص ۸۳

marfat.com

صاحبین نے علی و حضرت ابن مسعود کے طریق توریث کے مقابلہ میں حضرت زید بن ثابت کے طریق توریث کو پسند فرمایا ہے۔ اور متاخرین حنفیہ نے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

خلفائے ثلاثہ کا نقطہ نظر:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موافق منقول ہے اور ایک روایت میں حضرت زید کی موافقت بھی منقول ہے۔ البتہ اکثر یہ (۱۳۳) مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف ہے۔ حضرت عثمان سے ایک روایت حضرت علی کی موافقت میں مروی ہے اور دوسری حضرت زید کی موافقت میں۔ مگر خرقا (۱۳۴) کے مسئلے میں حضرت زید سے اختلاف کرنا مروی ہے۔(۱۳۵) امام سرخسی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت کے

---

(۱۳۳) ''اکدر،، کے لفظی معنی ''زیادہ گدلا،، کے ہیں۔ مسئلہ اکدر یہ ہے کہ ایک عورت اپنے ورثاء میں شوہر، ماں، دادا، اور بہن (حقیقی یا علاتی) چھوڑ کر مرے۔ اس مسئلہ کو اکدریہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ بنو کدر قبیلہ کی ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد مذکورہ بالا ورثاء چھوڑے تھے اور اس کے ورثاء کے درمیان ورثہ کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تھا اس لیے مسئلہ مذکورہ اس کی طرف منسوب ہو کر ''مسئلہ اکدریہ،، کہلانے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ اس مسئلے کو ''اکدریہ،، اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں زید ابن ثابت کا مذہب مشتبہ (زیادہ گدلا) ہو گیا کیوں کہ وہ دادا کے ساتھ بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی صاحب فرض تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس مسئلہ میں عول کے قائل ہیں بلکہ ایسی صورت میں اگر کچھ باقی نہ رہے تو بہنوں کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسئلہ اکدریہ میں انہوں نے بہن کو دادا سے نصف حصہ دلوایا اور مسئلہ کو انکی طرف عول بھی کیا یعنی شوہر کو ۳/۹، ماں کو ۳/۹، دادا کو ۲/۹، اور بہن کو ۱/۹ دلوایا۔ اور یہ باعتبار نتیجہ دادا نے بہن کی میراث کو مکدر کر دیا۔ اس مسئلہ کو مربعۃ الجماعۃ عزاء، غالبہ یا مشترکہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

(۱۳۴) مسئلہ خرقا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مشکوۃ السراج،، مولوی محمد صابر، مطبوعہ مکتبہ تھانوی، کراچی، سن ندارد، ص ۲۴۰

(۱۳۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۸۰-۱۷۹
التركات و المواريث في الاسلام، الدكتور محمد يوسف موسى، محولہ بالا، ص ۲۰۰-۲۰۷

marfat.com

مذھب کو مکمل طریقہ پر سفیان ثوری اور ابو یوسف و امام محمد و مالک و شافعی نے اختیار کیا ھے اور اسی قول پر فتوی ھے -(۱۳٦)

امام احمد بن حنبل کا مسلک :

امام احمد بن حنبل بھی مقاسمۃ الجد کے قائل ھیں اور امام مالک و شافعی و امام محمد وغیرھم سے متفق ھیں -(۱۳۷)

ظاھریہ مسلک:

ظاھریہ کے نزدیک میت کے باپ کی عدم موجودگی میں دادا اور اس کا باپ اوپر تک (سلسلہ سے) جب کوئی موجود ھوگا تو اس کے مقابلے میں میت کے ھر قسم کے بھائی محروم ھوں گے - گویا ظاھر یہ اس مسئلے میں صحابہ کے فریق اول کا مسلک اختیار کرتے ھیں - (۱۳۸) اور امام ابوحنیفہ سے متفق ھیں -

شیعہ امامیہ کا مسلک :

شیعہ امامیہ جد کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ سے متفق نہیں ھیں - چنانچہ ان کے نزدیک جب میت کا باپ موجود نہ ھو اور دادا یا اس سے اوپر کا کوئی دادا موجود ھو تو بھائی اس کے ساتھ وارث ھوں گے - شیعہ مذھب کے مطابق دادا اور بھائی ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ھیں، اس لئے ایک ساتھ وارث ھوں گے -

لیکن ان کے نزدیک ایک نئی بات یہ ھے کہ جد کا لفظ دادا اور نانا دونوں کو شامل ھے - چنانچہ شیعی مسلک میں دونوں مذکورہ جد (دادا اور

---

(۱۳٦) المبسوط، امام سرخسی ، محولہ بالا، ج ۲۹ ، ص۱۸۳

(۱۳۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷ ، ص٦۷

(۱۳۸) المحلی، ابن حزم ، محولہ بالا ، ج ٦، ص ۳۳۳

marfat.com

نانا) کے ساتھ بھائیوں کے جمع ہونے کی صورت میں حسب ذیل طریقہ توریث بیان کیا گیا ہے :-

(۱) میت کا نانا یا نانی موجود ہو اور ان کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو نانا کو اخیافی بھائی کا درجہ اور نانی کو اخیافی بہن کا درجہ دیا جائے گا اور اس طرح باہم میراث تقسیم ہوگی۔

(۲) میت کے دادا یا دادی کے ساتھ اگر حقیقی یا علاتی بھائی بہن موجود ہوں تو دادا یا دادی کو حقیقی یا علاتی بھائی بہن کے درجے میں تصور کرکے میراث تقسیم ہو گی۔(۱۳۹) لیکن اگر دادا کے ساتھ اخیافی بھائی بہن موجود ہوں تو کیا ہوگا؟ اس مسئلے کے لئے کوئی صریح عبارت نہ مل سکی، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صورتوں میں دادا اور نانا کو میراث ملے گی۔

اختلاف کی وجوہ:

دادا اور بھائیوں کی تقسیم میں علماء کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جو علماء دادا کے احکام کو باپ کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ مقاسمہ الجد کے قائل نہیں ہیں اور جو حقیقی و علاتی بھائیوں کے احکام پر قیاس کرتے ہیں وہ مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ صاحبین سے متفق ہیں اور مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں۔ حنفیہ میں ایک طویل زمانہ تک امام صاحب کے قول پر فتوی دیا جاتا رہا ہے لیکن ماضی قریب میں صاحبین کے قول کو اختیار کرلیا گیا ہے، اور مصر وغیرہ میں بھی اس کے مطابق قانون سازی کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک مرجح ہے، اور اسی کے مطابق دفعہ ہذا مدون کی گئی ہے۔ موجودہ زمانے میں جب کہ مال کی حرص میں ایک

(۱۳۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، بحولہ بالا، ج ۲ ص ۱۸۸

marfat.com

وارث دوسرے وارث کو، جس کا وارث ہونا کتاب و سنت سے مسلم ہے، محروم کرنے کی کوشش و سعی میں لگ جاتا ہے تو ان ورثاء کو جنہیں صحابہ کرام کے ایک گروہ اور اکثر مذاہب فقہ میں بعض صورتوں میں وارث تسلیم کیا گیا ہے ان صورتوں کے تحت، وارث تسلیم کرنا اور ان کو حصہ دینا، دینی مصالح کے قریب تر ہوگا۔

مصری قانون:

دفعہ ۹۔ (۲)۔ جد صحیح اس جد کو کہتے ہیں کہ میت کی طرف نسبت کرنے میں اس کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسے جد کو بھی فقرہ سابقہ کے مطابق ۱/۶ فرض ملے گا۔

دفعہ ۲۱۔ جب کہ میت کا . . . . دادا بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہو تو ۱/۶ فرض کا مستحق ہوگا اور باقی بہ طریقہ عصوبت پائے گا۔

دفعہ ۲۲۔ جب کہ جد حقیقی بھائیوں اور بہنوں یا پدری بھائی، بہنوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کی دو حالتیں ہوں گی:

(اول) یہ کہ جد کو ایک بھائی تصور کیا جائے جب کہ اس کے ساتھ تمام بھائی ہی ہوں یا بھائی بہن ہوں یا بہنیں ہوں جو کہ میت کی مؤنث فرع کے ذریعہ عصبہ ہوگئی ہوں۔

(دوم) کہ جد اصحاب فرائض کے بعد بقیہ ترکہ بطریقہ عصوبت لےلے، یہ جب کہ میت کی بہنیں مردوں کے ہم راہ یا میت کی موئث فرع کے ذریعہ عصبہ نہ ہوئی ہوں۔

اس کے علاوہ جب کہ مقاسمت مذکورہ عصوبت کے ذریعہ واقع ہوئی ہو تو یہ (عصوبت) جد کو یا تو وراثت سے محروم کردے گی یا ۱/۶ سے کمی کی جانب مائل کر دے گی، جس کا اعتبار ۱/۶ کےصاحب فرض ہونے سےکیا جائے گا۔ اس مقاسمت میں جو پدری بھائی یا بہنیں محجوب ہوں گی ان کا کوئی

marfat.com

اعتبار نہ کیا جائے گا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۰۸ - جد (دادا) جب کہ دیگر وارثوں کے ساتھ جمع ہو تو تو اس کی چار حالتیں ہوں گی:-

(۱) یہ کہ اس کے ساتھ بیٹا یا نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو تو کسی انتظار کے بغیر اس کو ۱/۶ دیا جائے گا۔

(۲) یہ کہ اصحاب فروض میں سے اس کے ساتھ صاحبان فرض ہوں تو اس کو ۱/۶ فرض حصہ کے بعد اصحاب فروض سے بقیہ ترکہ بصورت عصوبت دیا جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس کے ساتھ میت کے بھائی موجود ہوں تو اس کے لئے تہائی مال سے افضل حصہ مقرر ہوگا، یا مقاسمہ کی شکل میں ایک تہائی پورا ملے گا، جب کہ بھائیوں کی تعداد دو سے زائد ہو یا بہنیں چار ہوں اور اس صورت میں مقاسمۃ متعین ہوگا۔ اور جد ایک بھائی کی مثل قرار دیا جائے گا۔ ان سب کے ساتھ شامل ہوکر ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے طریقہ پر تقسیم ہوگی، جب کہ بھائی کی تعداد ایک ہو یا تین ہمشیرگان ہوں۔

(۴) یہ کہ جد کے ساتھ بھائی اور اصحاب فروض موجود ہوں تو اس کو ترکہ کا تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو افضل ہو یا پورا ۱/۶ ملے گا، یا صاحبان فرض کو دینے کے بعد باقی کا تہائی، یا بھائیوں کے درمیان مقاسمہ کے طریقہ پر ملے گا۔

دفعہ ۱۰۹ - جب کہ دادا کے ساتھ حقیقی بھائی اور پدری بھائی جمع ہوں تو تقسیم کے وقت جد کے ساتھ حقیقی پدری کے حساب میں شامل ہوگا، اس کے بعد پدری بھائی کے حصہ کی جانب رجوع کرے گا اور اس سے لے گا۔

marfat.com

دفعہ ۱۱۰۔ جب کہ جد کے ساتھ ایک حقیقی ہمشیرہ اور ایک پدری ہمشیرہ جمع ہوں تو حساب میں حقیقی پدری کے ساتھ تقسیم ترکہ میں شریک ہوگی، چنانچہ جد کو نصف اور ایک حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ پدری دو یا تین ہمشیرگان ہوئیں تو جد کو تمام ہمشیرگان کے مقابلہ حساب سے دیا جاکر پدری ہمشیرگان کو حقیقی ہمشیرہ کے نصف کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۰۰۔ جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض کے حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کرلے گا۔

دفعہ ۲۰۱۔ (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کےساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط ہوں تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ جد حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکے کے ایک تہائی یا دفعہ ۲۰۷ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے طریقۂ مقاسمت کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے حصے کے تین حصہ یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کےمطابق، جو افضل ہو، دیا جائے گا۔

جدہ کی میراث

۲۷۹ (۱) دادی نانی کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا' خواہ ایک ہوں یا متعدد' بشرطے کہ سب صحیحہ اور ایک درجہ میں ہوں۔

(۲) ماں کی موجودگی میں تمام جدات ہر قسم کی خواہ ایک سلسلہ کی ہوں یا مخلوط ساقط ہوجائیں گی۔

(۳) پدری جدات باپ سے ساقط ہو جائیں گی' اسی طرح دادا سے بھی' البتہ باپ کی ماں (اوپر درجہ تک) ساقط نہ ہوگی بلکہ دادا کے ساتھ میراث پائے گی۔

marfat.com

تشریح

عربی زبان میں ''جدہ،، کا لفظ ''دادی،، اور ''نانی،، دونوں کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ کتنی ہی بالائی پشت میں ہوں، چنانچہ ''جدہ،، صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ ذوی الفروض میں داخل ہیں۔

جدہ صحیحہ وہ جدہ ہے کہ جب اس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو اس نسبت میں ایسا کوئی مرد واسطہ نہ بنے جو دو عورتوں کے درمیان واقع ہوا ہو، مثلاً زید (میت) ہے، زید کی ماں کے باپ کی ماں زید کی جدہ صحیحہ نہ ہوگی، کیونکہ جب اس کی نسبت میت (زید) کی طرف کی جاتی ہے تو درمیان میں ایسا مرد آتا ہے جس کے دونوں جانب عورتیں ہیں۔ یعنی ایک جانب زید کی ماں عورت ہے اور دوسری طرف اس ماں کے باپ کی ماں عورت ہے۔ گویا زید کا نانا (ماں کا باپ) دونوں عورتوں (زید کی ماں اور اپنی ماں) کے درمیان زید کی طرف نسبت کرنے میں واسطہ ہوا ہے۔ چنانچہ جہاں ایسا واسطہ نہ ہو وہ جدہ صحیحہ ہوگی جیسے ماں کی یا باپ کی ماں اور اگر مذکورہ واسطے موجود ہو تو یہ جدہ فاسدہ کہلائے گی۔ (۱۳۰) جیسے میت کی ماں کے باپ کی ماں یا اس ماں کی ماں۔

چنانچہ علم الفرائض کی اصطلاح میں ''جدہ صحیحہ،، اس دادی (یا نانی) کو کہتے ہیں جس سے میت کی نسبت کے سلسلے میں ماں کا باپ نہ آئے جیسے میت کی ماں کی ماں (خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہو)۔ بالفاظ دیگر ''جدہ صحیحہ،، اس ''جدہ،، کو کہتے ہیں جو میت کی جانب کسی عصبہ کے یا کسی صاحب فرض کے ذریعہ منسوب ہو، لیکن جو ''جدہ،، میت کی طرف کسی عصبہ یا صاحب فرض کے ذریعہ منسوب نہ ہو وارث نہ ہوگی۔ کیونکہ فقہاء کے اس قول کے بموجب کہ ،،ہر وہ جد جس کی میت کی طرف نسبت کرنے

(۱۳۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص۲۲

میں باپ کا ذریعہ آتا ہو ماں کا نہ آتا ہو وہ "جدہ صحیحہ" ہوگی۔ چنانچہ ماں کا باپ (نانا) وارث نہیں ہوتا کیونکہ وہ نہ عصبہ ہے اور نہ صاحب فرض۔ اسی طرح اس کے ذریعہ جو جدہ میت کی طرف منسوب ہوگی وہ وارث نہ ہوگی۔ لہذا میت کے باپ کی ماں یا میت کی ماں کی ماں خواہ کتنے ہی اونچے درجہ میں ہوں وارث ہوں گی۔

مندرجہ بالا تصریح کی روشنی میں "جدہ" کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں۔ ایک صحیحہ اور دوسری فاسدہ۔ "جدہ صحیحہ" ذوی الفروض میں شامل ہے جب کہ "جدہ فاسدہ" ذوی الارحام کے درجہ دوم میں داخل ہے۔

"جدہ صحیحہ" کے لئے چھٹا حصہ مقرر ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو، خواہ ایک ہوں یا زائد۔ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں سب آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی، بشرطیکہ درجہ قرابت میں باہم مساوی ہوں اور کسی دیگر سبب سے ساقط نہ ہوں۔(۱۳۱)

اگر میت کی کوئی نانی بھی اسی درجہ (پشت) کی موجود ہو جس درجہ کی دادی ہے تو وہ نانی بھی اس دادی کے ساتھ چھٹے حصے میں شریک ہوجائے گی۔ مثلاً ایک عورت میت کی ماں، ماں کی ماں بھی ہے اور میت کے باپ کی باپ کی ماں بھی ہے اور دوسری عورت اسی میت کے باپ کی ماں کی ماں ہے لہذا ایک دادی دوہرا رشتہ رکھتی ہے اور دوسری دادی صرف ایک۔ تو پہلی دادی ترکہ کی مستحق ہوگی۔(۱۳۲)

اسی طرح اگر میت کی نانی قریب رشتہ کی زندہ ہو اور دادی درجہ بعید کی ہو تو دادی محروم رہے گی مثلاً نانی، پہلی پشت کی ہے اور دادی دوسری پشت کی ہے، تو ایسی صورت میں دادی محروم ہوجائے گی۔

اگر میت کی ماں کا باپ موجود ہو تو نانی محروم رہے گی، اسی طرح میت

(۱۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۵
(۱۳۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۷۱

marfat.com

کا دادا موجود ہو تب بھی دادی محروم رہتی ہے لیکن باپ کی ماں، باپ کی نانی، باپ کی ماں کی نانی اور باپ کی نانی دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں۔

صاحب شریفیہ نے بہ عنوان ''احوال الجدہ لام کانت اولاب،، لکھا ہے کہ جدہ چھٹے حصہ کی مستحق ہوگی خواہ وہ میت کے باپ کی ماں ہو یا میت کی ماں کی ماں ہو یعنی دادی ہو یا نانی، جب کہ میت کی ماں موجود نہ ہو، خواہ وہ دادیاں یا نانیاں ایک سے زائد ہوں، البتہ ان میں درجہ قرابت کا لحاظ کیا جائے گا۔(۱۴۳)

مصری قانون :

دفعہ ۱۴ (۲)۔ اور جدۂ صحیحہ باپ، ماں کی ماں یا دادا کی ماں ہوا کرتی ہے، خواہ کتنے ہی اوپر کی ہو، لہذا ایک یا زائد جدہ کو ۱/۶ دیا جائے گا۔ ان کے درمیان مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قربتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۴۲۔ ایک یا متعدد جدہ ثابتہ ۱/۶ کی مستحق ہوں گی۔ تمام جدات میں مساوی تقسیم ہوگی۔ ایک قرابت یا دو قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۱۱۔ جدہ کے لئے خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے ایک ہو یا زائد ہوں، یا جو باپ کی جانب سے ہے وہ اقرب ہو جیسا کہ باپ کی ماں اور ماں کی ماں اور باپ کے باپ کی ماں تو ۱/۶ کی وہ مستحق ہوگی جو ماں کی ماں ہے اور جو جدہ باپ کی جانب سے ہوگی باپ کی موجودگی میں

---

(۱۴۳) الشریفیہ ، شرح سراجیہ ، سید شریف جرجانی ، محولہ بالا ، ص ۲۲

marfat.com

وارث نه هوگی، اور ماں کی موجودگی میں باپ کی جانب کی یا ماں کی جانب کی کوئی جده مستحق نه رہے گی۔

مراکش کا قانون :

دفعه ۲۳۳- چھٹے حصه کے مستحق سات (۷) وارث هوتے هیں :-

(٦) اور جده جب که تنہا هو خواه دادی هو یا نانی، اگر دونوں موجود هوں تو چھٹا حصه دونوں میں تقسیم کیا جائےگا جب که درجه میں مساوی هوں یا نانی بعید هو، لیکن اگر نانی قریب ہے اور دادی بعید تو کل چھٹا نانی کا حق هوگا۔

امام ابن حزم کا نقطهٔ نظر :

دادی کے لئے چھٹے حصه میراث کے تعین کے بارے میں عام طور پر یه بیان کیا جاتا ہے که حضور علیه الصلواة و السلام کا مقرر کرده ہے ۔ لیکن امام ابو محمد ابن حزم نے طاؤس کے حوالے سے لکھا ہے که یه صحیح نہیں ہے ۔ دادی کے چھٹے حصے کا واجب هونا حضرت ابوبکر ،حضرت عمر، ابن مسعود، حضرت علی اور زید بن ثابت رضی الله عنهم سے مرسل روایت ہے ۔(۱۳۳)

دراصل ابن حزم چونکه مرسل حدیث کو حجت قرار نہیں دیتے، اس لئے ان کے نزدیک رسول الله صلی الله علیه و سلم سے جده کے لئے ۱/۶ کا تقرر ثابت نہیں، بلکه آثار صحابه سے ثابت قرار پاتا ہے، چنانچه ابن حزم کے نزدیک جس حالت میں میت کی ماں ۱/۳ کی مستحق هوتی تو جده کو ۱/۳ دلواتے هیں اور جہاں ماں ۱/۶ کی مستحق هوتی ہے وهاں ۱/۶ دلواتے جو ان کا اپنا قیاس ہے ۔ لیکن اس کے مقابله میں صحابه کا اثر ہے جو جده کے لئے محض ۱/۶ تعین کرتے هیں راقم‌الحروف کے نزدیک یه اثر ابن حزم کے قیاس سے بهر حال اعلی و افضل ہے ۔

---

(۱۳۳) المحلی، ابن حزم، محوله بالا ، ج ۹ ، ص۳۲۲
التركه و الميراث فی الاسلام ڈاکٹر محمد یوسف موسی، محوله بالا ، ص ۲۳۰

۲ — عصبات نسبی

عصبہ نسبی کی تعریف

۲۸۰ - عصبہ نسبی شرعاً ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو تنہا ہونے پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی الفروض سے باقی رہے وہ تمام سمیٹ لے -

تشریح

''عصبہ،، کے لغوی معنی ''ایک شئے کا کسی دوسری شئے کو ہر طرف سے گھیر لینا،، ہیں - اصطلاحاً میت کے باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو ''عصبہ،، کہتے ہیں - یہ لفظ واحد، جمع، مذکر اور مونث سب کے لئے بولا جاتا ہے - چوں کہ مرد کا مادۂ تولید ریڑھ کی ہڈی سے کھنچ کر آتا ہے اس لئے علم المیراث کی اصطلاح میں ''عصبہ،، اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو میت سے صلبی تعلق رکھتا ہو اور ذوی الفروض کے دینے کے بعد بقیہ ترکہ کا مستحق ہو- چنانچہ اگر سلسلہ قرابت کے درمیان عورت حائل ہوجائے تو پھر وہ قرابت دار ''عصبہ،، نہیں رہتا، مثلاً اخیافی بھائی- اسی طرح اخیافی بہن کی قرابت ماں کے ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ باپ کے ذریعہ، اس لئے وہ بھی عصبات میں داخل نہیں، بلکہ ذوی الفروض میں داخل ہے - اسی طرح نواسہ یا نانا ذوی الارحام میں داخل ہے، کیونکہ میت سے ان کی نسبت فقط عورت (بیٹی یا ماں) کے واسطے سے ہوتی ہے -

عصبہ نسبی کی اقسام

۲۸۱ - عصبہ نسبی کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں :-

(۱) عصبہ بنفسہ ، وہ وارث ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو، اور اس کے اور میت کے درمیان عورت داخل نہ ہو-

(۲) عصبہ بغیرہ ، وہ وارث عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو اور یہ غیر، عصبہ ہونے میں اس کا شریک ہو ، اور

(۳) عصبہ مع الغیر ، وہ وارث عورت جو عصبہ بننے میں غیر کی محتاج ہو اور وہ غیر عصبہ ہونے میں اس کا شریک نہ ہو -

---

(۹۰) قدیم کتب فقہ میں عصبات کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:
(۱) عصبہ نسبی اور (۲) عصبہ سببی-

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۴۸ پر

marfat.com

تشریح

الف ۔ عصبہ بنفسہ

''عصبہ بنفسہ،، یعنی بذات خود عصبہ، وہ قرابت دار کہلاتا ہے جو مرد ہو اور جس کی میت سے نسبت عورت کے واسطے کے بغیر ہو، یعنی عورت کے واسطے سے نہ ہو۔ (نیز میت اور اس قرابت دار کے رشتہ کے درمیان کوئی

صفحہ نمبر ۱۷۷۷ کا باقی فٹ نوٹ

عصبہ سببی :

عصبہ سببی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شرعی سبب کی بناء پر عصبہ قرار پایا ہو جیسے مولی العتاقہ۔ چنانچہ اگر کوئی آزاد کردہ غلام مرجائے اور وہ اپنا کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے تو اس کا آزاد کرنے والا مرد ہو یا عورت اس آزاد شدہ غلام (میت) کا عصبہ قرار پائے گا، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا مال بحیثیت عصبہ سببی لے گا۔ چونکہ اس آزاد کنندہ کا میت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے وہ عصبہ سببی کہلاتا ہے۔ اس آزاد کنندہ کی عدم موجودگی میں اس کے عصبہ بنفسہ اس غلام (میت) کے عصبہ سببی ہوں گے، البتہ آزاد کرنے والے کے عصبات میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

اس معتق یعنی آزاد کرنے والے کو ''مولی العتاقہ،، کہتے ہیں۔ معتق اپنے آزاد کردہ غلام کے ترکہ کا اس وجہ سے حق دار ہوتا ہے کہ وہ اس کو آزادی دے کر گویا ایک (نئی) زندگی عطا کرتا ہے اور اس طرح حکماً باپ بیٹے کا سا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جب یہ آزاد کردہ غلام مر جائے اور اس کا کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا معتق قرار پاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے، کہ ''ولاء، نسبی سلسلہ (نسب) کی طرح ایک نسبی شاخ ہے (البحر الرائق، ابن نجیم ج ۸، ص ۹۸م الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰ ''الولاء لحمة کلحمة النسب،،) احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں مولی العتاقہ ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔

مولی عتاقہ کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت علی اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ مولی عتاقہ ذوی الارحام پر مقدم ہے اور مذکورہ عصبات کا آخری عصبہ ہے۔ یہی مسلک احناف نے اختیار کیا ہے اس کے برخلاف حضرت ابن مسعود کے نزدیک ذوی الارحام مولی عتاقہ پر مقدم ہیں۔ آپ نے اللہ تعالی کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ '' بعض صاحبان رحم بعض دیگر صاحبان رحم سے اولیٰ ہیں احناف حضرت ابن مسعود کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے اس حکم مولات کو منسوخ کیا گیا ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان بذریعہ مواخاة (موالات) باہم وراثت قائم کرائی تھی۔ اس آیت کے ذریعہ واضح فرما دیا

marfat.com

عورت نہ آئے)، جیسے میت کا بیٹا، باپ وغیرہ، کیونکہ ان کی تعصیب اپنی ذاتی قرابت کے سبب ان کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

عصبہ بنفسہ میں چار درجوں کے قرابت دار شامل ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر اولیت حاصل ہے۔ ان کی ترتیب حسب ذیل ہے:۔

(اول) جو خود میت کا جزو ہیں یعنی بیٹا، پوتا، پڑپوتا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

صفحہ نمبر ۱۴۷۸ کا باقی فٹ نوٹ

گیا کہ موالات کے عقد سے رحم کا رشتہ مقدم ہے۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں عقد موالات سے ذوی الارحام مقدم ہیں لیکن مولی العتاقہ عقد موالات سے ممیز اور اس کا درجہ حسب سابق ذوی الارحام سے پہلے ہے۔ اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جو دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہ کی صاحب زادی نے ایک غلام آزاد کیا تھا یہ غلام ایک لڑکی چھوڑ کر فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نصف مال اس کی لڑکی کو دے کر بقیہ مال حضرت حمزہ کی صاحب زادی کو دے دیا۔ (السنن ، دارقطنی، ج ۴ ، ص ۸۲-۸۳) "عن ابن عباس ان مولی الحمزة توفی فترک ابنته و ابنة حمزہ فاعطی النبی صلعم ابنته النصف ولا بنة حمزة النصف،،) اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ " ولاء اسی کے واسطے ہے جس نے آزاد کیا،، (بخاری، ج ۲ ، ص ۹۹۹) "عن عائشه قالت اشتریت بریرة فقال النبی صلعم اشتریها فان الولاء لمن اعتق،،) اسی طرح عبد الرزاق نے حسن بصری سے یہ حدیث مرسلا روایت کی ہے کہ حضور (صلعم) نے آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم دریافت کرنے والے کو جواب دیا کہ " اگر اس کا عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث تیرے واسطے ہے۔ المبسوط ، سرخسی ، ج ۲۹ ، ص ۶۹-۱۷۰ ، " و ان مات ولم یدع وارثا کنت انت عصبته اور الاختیار لتعلیل المختار ، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۰) بحر الرائق میں رسول اللہ کی مذکورہ بالا روایت کے لفظ " الولاء لحمة کلحمة النسب،، آزاد کنندہ کو عصبہ ثابت کرتا ہے۔ نیز آخری عصبات کے لئے حدیث نبوی "جس نے غلام آزاد کیا، اگر غلام مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ اس کا عصبہ ہوگا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ، عبد اللہ بن محمود بن مودود، ج ۵، ص ۱۱۰) اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مولی العتاقہ عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں عصبہ قرار پاتا ہے اور وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔

دیگر مکاتیب فقہ:

مالکیہ (جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل ، الابی ، صالح عبد السمیع ، ج ۲، صص ۳۲۷-۳۲۸) شافعیہ (المہذب فقہ شافعی ، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، ج ۲ ، صص ۲۴-۲۵) حنبلیہ (المحرر فی الفقہ الحنبلی، ابو البرکات، مجدالدین، ج ۱،

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۸۰ پر

(دوم) جن کی خود میت جزو ہے یعنی باپ، دادا، پردادا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی اونچے درجے میں ہوں۔

(سوم) جو میت کے باپ کا جزو ہیں یعنی حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

(چہارم) جو میت کے دادا کے جزو ہیں یعنی حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں۔

مندرجہ بالا ترتیب بہ اعتبار استقرار حق امام ابو حنیفہ کے نقطۂ نظر کے مطابق ہے۔ صاحبین کے نزدیک مذکورہ ترتیب میں اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک عصبات درجہ دوم میں جب کہ باپ کے بجائے دادا ہو تو وہ بھائیوں کو محروم نہیں کرتا بلکہ بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں دادا کو ایک بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے گویا صاحبین کے نزدیک دادا کی موجودگی میں درجہ دوم و سوم کے ورثاء (ایک ساتھ وارث ہوتے ہیں۔) (تفصیل ''مقاسمۃ الجد،، کے تحت گزر چکی ہے)۔

صفحہ نمبر ۱۴۷۹ کا باقی فٹ نوٹ

ص ۳۹۴-۳۹۵) اور ظاہریہ (المحلی، ابن حزم، ج ۹، ص ۳۴۷-۳۴۱) بھی عصبت نسبی کی غیر موجودگی میں مولی عتاقہ کی میراث کے قائل ہیں۔ اسی طرح شیعہ امامیہ بھی اس کے قائل ہیں۔

مصری قانون :

دفعہ ۳۹۔ عصبہ سببی میں حسب ذیل افراد شامل ہیں :

(۱) مولی العتاقہ، جس نے آزاد کیا ہو اور وہ جس کو آزاد کیا گیا ہو، یا آزاد کردہ کے آزاد کردہ،

(۲) آزاد کرنے والے کا عصبہ یا آزاد کیے گئے کا عصبہ، یا آزاد کئے گئے کا آزاد کیا گیا عصبہ،

(۳) جس کو ایسی ماں کے مورث کی ولاء کا حق حاصل ہو کہ وہ ماں اپنے باپ کے واسطے سے حرۂ اصل نہ تھی۔ خواہ یہ ولاء اس کو ماں سے حاصل ہوئی یا کسی غیر سے یا بالواسطہ جد۔

نوٹ :۔ (عصبہ سببی کی صورت موجودہ میں ناپید ہے، اس لیے متن قانون اور اصل کتاب میں ذکر نہ کرکے اس فٹ نوٹ پر اکتفا کیا گیا تاکہ کتاب تاریخی اعتبار سے مکمل ہو)۔

marfat.com

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے اس میں مندرجہ بالا چار درجوں کے ورثاء، بہ استثناء مندرجہ بالا، علی الترتیب وارث ہوں گے۔ اگر ان مندرجہ بالا درجوں کے قرابت داروں میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، باپ کے علاتی چچا کا بیٹا، یکے بعد دیگرے خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، وارث ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو دادا کا حقیقی چچا، اور ان کی اولاد ذکور یکے بعد دیگرے، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہوں، عصبات بنفسہ میں داخل ہوگی۔

اصول یہ ہے کہ جو وارث میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث میں اولی ہوگا، جیسا کہ بیٹا، پھر باپ یا دادا، اور جو وارث میت سے دو رشتے رکھتا ہو وہ ایک رشتہ رکھنے والے وارث سے اولی ہوگا، خواہ یہ دو رشتہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت، چنانچہ حقیقی بھائی علاتی سے اور حقیقی بہن جب کہ صلبی بیٹی کے ساتھ یا پوتی کے ساتھ عصبہ ہوجائے، پدری بھائی سے اولی ہوگی اور حقیقی بھائی کا بیٹا پدری بھائی سے اولی ہوگا اور حقیقی چچا پدری چچا سے اولی ہوگا۔ یہ حکم باپ کے چچا اور دادا کے چچا میں بھی جاری ہوگا۔(۱۳۶)

اگر ذوی الفروض میں ترکہ تقسیم ہوکر کچھ باقی نہ بچے تو عصبات میں تقسیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر حقیقی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا۔ اس صورت میں نصف شوہر اور نصف بہن کو ملے گا اور علاتی بھائی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

ب۔ عصبہ بالغیر

عصبہ بالغیر یا بغیرہ وہ قرابت دار ہے جو دوسرے قرابت دار کی وجہ سے عصبہ ہوجائے۔ علم المیراث کی اصطلاح میں عصبہ بالغیر وہ عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر کی محتاج ہو اور یہ غیر عصوبت میں اس کا شریک ہو،

(۱۳۶) الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ ، قدری پاشا ، دفعہ ۹۱ (صفحہ رواں کا فٹ نوٹ)

marfat.com

گویا وہ عورت اپنے مقابل مذکر کی وجہ سے عصبہ ہوجائے۔ چنانچہ وہ عورتیں جو دوسرے مذکروں کے سبب عصبہ ہو جاتی ہیں، چار ہیں :۔

(۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) بہن اور (۴) علاتی بہن۔

یہ چاروں اپنے اپنے بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہوجاتی ہیں اور ان کے ساتھ ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے مطابق میراث میں حصہ کی مستحق ہوتی ہیں۔ اور اگر ان کو عصبہ بنانے والا (مرد) موجود نہ ہو تو پھر یہ عورتیں ذوی الفروض کی حیثیت سے حصہ پاتی ہیں۔

اولٰ الذکر دو کے عصبہ ہونے پر اللہ تعالی کا یہ قول ''یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین،، اور آخر الذکر دو پر اللہ تعالی کا قول ''ان کانوا اخوۃ رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین،، دلالت کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی عورت اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی۔

عورت فی الاصل عصبہ نہیں ہوتی بلکہ بالتبع عصبہ ہو جاتی ہے اور جب عصبہ ہو جاتی ہے تو پھر ذوی الفروض کے حصے تقسیم ہو جانے کے بعد، ترکہ بچ رہنے کی صورت میں، اپنا حصہ پانے کی مستحق ہوتی ہے ورنہ نہیں مثلاً ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، والدین، بیٹی اور ایک پوتی اور ایک پوتے کو چھوڑا۔ اب پوتی پوتے (اپنے بھائی) کے موجودگی میں عصبہ بالغیر ہو گئی اور اس کا حق ذوی الفروض کے بعد ہوگا۔ چناں چہ شوہر کو چوتھائی، والدین کو تہائی اور بیٹی کو نصف دینے کے لیے ترکہ پورا نہیں ہوتا لہذا پوتی کو عصبۃ بالغیر ہونے کے سبب کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر پوتا موجود نہ ہوتا تو وہ بیٹی کے ساتھ مل کر تکملۃ الثلثین کی مستحق ہوتی اور عول کے ذریعہ تقسیم عمل میں آتی جس کے نتیجہ میں وہ بھی میراث کی مستحق قرار پا کر اپنا حصہ لے لیتی یعنی صورت اول میں شوہر کو ۳/۱۳، ماں کو ۲/۱۳، باپ کو ۲/۱۳، اور بیٹی کو ۶/۱۳ ملے گا جب کہ صورت دوم میں مسئلہ ۱۳ سے ۱۰ کی طرف عول ہو کر شوہر کو ۳/۱۰، ماں کو ۲/۱۰، باپ کو ۲/۱۰، بیٹی کو ۶/۱۰ اور پوتی کو ۲/۱۰ ملے گا۔

marfat.com

ایک اور مثال :- ایک عورت نے اپنے پیچھے شوہر، حقیقی بہن ، علاتی بہن اور علاتی بھائی کو چھوڑا ۔ اس صورت میں شوہر کو نصف اور حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ علاتی بہن ، علاتی بھائی کی موجودگی کے سبب عصبہ بالغیر ہو کر ترکہ نہ بچنے کی وجہ سے محروم ہوگئی۔ لیکن اگر علاتی بھائی نہ ہوتا تو وہ حقیقی بہن کے ساتھ ذی فرض کی حیثیت سے شامل ہوکر تکملۃ الثلثین کی مستحق ہوتی اور مسئلہ سات کی طرف عول کر کے شوہر کو ۳/۷ اور حقیقی بہن کو ۳/۷ اور علاتی بہن کو ۱/۷ ملتا۔

وہ عصبات جو خود میراث لیتے ہیں اور اپنی بہنوں کو شریک نہیں کرتے ، چار ہیں :-

(۱) چچا ، (۲) چچا کا بیٹا ، (۳) بھائی کا بیٹا ، اور (۴) معتق (آزاد کرنے والے) کا بیٹا ۔

ج ۔ عصبہ مع الغیر :

عصبہ مع الغیر وہ قرابت دار عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے ۔ چناں چہ میت کی عینی یا علاتی بہن اگر میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ عصبہ ہو جاتی ہیں ، خواہ ایک ہوں یا زیادہ ۔ (۱۳۷) مثال کے طور پر میت نے ایک بیٹی، ایک بہن ، ایک یا ایک سے زیادہ علاتی بھائی چھوڑے تو دختر کے ساتھ عینی بہن عصبہ ہو گی اور نصف ترکہ دختر کو اور بقیہ نصف عینی بہن کو ملے گا۔ علاتی بھائی محروم رہے گا۔ اس کی بنیاد حضور علیہ السلام کا ارشاد ''الاخوات مع البنات عصبۃ'' ہے (۱۳۸) کہ بہنیں ، بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں ۔

عصبہ مع الغیر اور عصبہ بغیرہ میں یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ میں یہ غیر خود عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، اس وجہ سے عصوبت عورت میں سرایت کر جاتی

(۱۳۷) المبسوط، امام سرخسی، حوالہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۵۸ - ۱۵۱
(۱۳۸) مذکورہ حدیث میں اخوات سے حقیقی یا علاتی بہنیں مراد ہیں اخیافی بہنیں مراد نہیں ہیں ۔

marfat.com

ہے اور عصبہ مع غیرہ میں بہ غیرہ عصبہ بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے ہمراہ ہونے سے عصوبت پیدا ہوتی ہے۔(۱۴۹)۔

عصبات کی توریث کے عام قواعد

۲۸۲ - عصبات کی توریث میں حسب ذیل ضابطوں پر عمل کیا جائے گا:-

(۱) قریب کو بعید پر ترجیح ہوگی،

(۲) ہم درجہ عصبات کی صورت میں اقوی قرابت کا اعتبار کیا جائے گا،

(۳) چند قسم کے عصبہ جمع ہو جانے کی صورت میں میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی، اور

(۴) عصبات میں تقسیم بہ اعتبار فی کس ہوگی۔

تشریح

ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ بچ رہے وہ عصبات کا حق ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''ذوی الفروض کو دینے کے بعد ترکہ میں سے جو بچ رہے وہ اقرب مذکر کے لیے ہے''۔ (۱۵۰)

قریب کو بعید پر ترجیح ہے:

عصبات میں میت سے بہ اعتبار قرابت جو سب سے قریب ہوگا وہ توریث میں سب سے مقدم ہوگا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل چار درجات میں سب سے مقدم میت کا جزو ہے جیسے (۱) اس کا بیٹا اور پھر اس کے بیٹے کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ اس کے بعد میت کی اصل کا درجہ ہے جیسے باپ جو بیٹی کی موجودگی (اور بیٹے کی عدم موجودگی) میں عصبہ بھی ہے اور ذی فرض بھی۔ باپ کے بعد امام ابو حنیفہ کے نزدیک حقیقی دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ پھر باپ کا جزو یعنی حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی حقیقی بھائی کا بیٹا اور پھر علاتی بھائی کا بیٹا خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔

بھائیوں کو دادا پر موخر کرنا امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بموجب ہے جبکہ صاحبین دادا کو بھائی بہنوں کے ساتھ شریک کرکے ایک بھائی کے بقدر حصہ دیتے ہیں امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے آخری درجہ بہ اعتبار ترتیب

---

(۱۴۹) الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ، قدری پاشا دفعہ ۳۱۶، ص ۱۱۳ -

(۱۵۰) ''روی عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فما ابقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر'' (مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض) -

marfat.com

توریث بر بنائے عصوبت میت کے دادا کے جزو کا ہے جیسے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر علاتی چچا کا بیٹا، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو۔ پھر باپ کا چچا، پھر اس کا بیٹا، پھر دادا کا چچا پھر اس کا بیٹا علی ھذا القیاس۔ (۱۰۱)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، عصوبت کی بناء پر استحقاق وراثت میں بیٹا، باپ پر مقدم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا میت کی فرع ہے اور باپ میت کی اصل۔ فرع کا تعلق میت سے اصل کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے کیوں کہ فرع اصل کے تابع ہوتی ہے۔ چناں چہ اصل کے ذکر میں فرع بھی آجاتی ہے مگر فرع کے ذکر میں اصل نہیں آتی۔ بیٹے کی اولاد باپ پر مقدم ہے کیوں کہ ان کے استحقاق کا سبب بھی وہی بیٹے کا باپ پر مقدم ہونا ہے۔ اسی طرح باپ کا دادا کے مقابلے میں میت سے درجے میں قریب تر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ بیٹے کا پوتے پر مقدم ہونا۔

چناں چہ مذکورہ بالا درجات میں درجہ اول کے عصبات میں کوئی بھی موجود ہو، خواہ کتنے ہی نیچے درجے میں ہو، اس کے مقابلے میں درجہ دوم کے کسی عصبہ کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر درجہ دوم میں کوئی بھی عصبہ ہو، خواہ درجے میں کتنا ہی اونچا ہو درجہ سوم کے تمام عصبات کو محروم کر دے گا۔

ترتیب بر بنائے عصوبت ہے:

یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ ترتیب بربنائے عصوبت ہے۔ درجہ بندی میں جو ورثاء مذکور ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب فرض بھی ہے مثلاً میت کا باپ تو اس کا حق بحیثیت ذی فرض کے اس سے اولی، علیحدہ اور ممیز ہے۔ البتہ جب وہ عصبہ کی حیثیت سے میراث پانے کا مستحق ہوگا تو اس کا استحقاق اسی درجہ بندی کے لحاظ سے متحقق ہوگا۔صاحبین کے مسلک کے بموجب درجہ سوم میں مذکور ورثاء درجہ دوم میں دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ (ان کی تفصیل دادا کی میراث میں بیان کی جاچکی ہے)۔

---

(۱۰۱) الدرالمختار برحاشیہ رد المحتار، علاءالدین حصکفی، (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۲۵۹ھ ج ۱، ص ۵۲۶

marfat.com

۲- هم درجه عصبات کی صورت مین قوی قرابت کا اعتبار جائے گا :

جو عصبات ایک درجه مین واقع هون تو جس کی قرابت زیاده قوی هوگی وه میراث کا مستحق هوگا اور باقی محروم رهین گے۔ مثال کے طور پر حقیقی اور علاتی بهائی اگرچه درجے مین برابر هین مگر حقیقی بهائی دو قرابت والا هے اس لئے وه علاتی بهائی پر مقدم هے۔ اسی طرح علاتی بهائی حقیقی بهائی کے بیٹے پر مقدم هے کیونکه علاتی بهائی حقیقی بهائی کے بیٹے کے مقابلے مین میت سے قریب تر هے یا حقیقی بهائی کا بیٹا علاتی بهائی کے بیٹے سے اولیٰ هے کیونکه وه دو قرابت والا هے، حالانکه درجه مین دونون مساوی هین۔ اسی طرح میت کا حقیقی چچا، علاتی چچا پر فوقیت رکهتا هے۔

۳- چند قسم کے عصبه جمع هوجانے کی صورت مین میت سے قریب تر کو ترجیح دی جائے گی :

اگر چند قسم کے عصبات جمع هو جائین مثلاً بعض بنفسه هون اور بعض عصبه بغیره هون اور بعض عصبه مع الغیر، تو ترجیح اس عصبه کو دی جائے گی جو میت سے زیاده قریب هوگا۔ مثلاً ایک شخص فوت هوگیا اس نے ایک بیٹی ایک حقیقی بهن اور ایک علاتی بهائی کا بیٹا چهوڑا تو نصف ترکه بیٹی کو ملے گا اور نصف بهن کو۔ علاتی بهائی کے بیٹے کو کچه نه ملے گا، کیونکه بهن میت کی بیٹی کے ساته عصبه هو گئی۔ اس کی بنیاد رسولِ اکرمؐ کی حدیث ''اجعلوا الاخوات مع البنات عصبه،، پر هے اور وه علاتی بهائی کے بیٹے کی به نسبت میت سے زیاده قریب هے۔ اسی طرح اگر بهائی کا بیٹا هو اور چچا هو تو کل ترکه بهائی کے بیٹے کے کو ملے گا اور چچا محروم رهے گا۔ (۱۰۲)

۴- عصبات میں تقسیم به اعتبار فی کس هوگی:

اگر عصبات مین سے ایک جماعت ایک هی درجے کی حامل هو تو ان کو ترکه بحساب فی کس ملے گا۔ اصول کا اعتبار نه کیا جائے گا۔ مثالؔ کے طور پر

(۱۰۲) فتاویٰ عالمگیری، شیخ نظام الدین، محوله بالا، مطبوعه دیوبند، ج ۶، ص ۵-۴
الشریفیه ، شرح السراجیه، سید شریف جرجانی محوله بالاص ۳۹-۳۸

ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس نے ایک بھائی کی اولاد میں ایک بیٹا اور دوسرے بھائی کی اولاد میں دس بیٹے چھوڑے تو ترکہ کے گیارہ حصے کئے جائیں گے اور سب حقداروں میں ہر حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ (نمائندگی کے اصول پر) دو حصہ کرکے ایک نصف ایک بھائی کے بیٹے کو اور دوسرا نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں پر تقسیم کیا جائے۔(۱۵۳)

یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔ شیعی فقہ کے بموجب اصول کا اعتبار کیا جائے گا، مثال کے طور پر ایک حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دوسرے حقیقی بھائی کے دس بیٹے ہوں تو ترکہ دو مساوی حصوں میں تقسیم ہوکر نصف ایک بھائی کے ایک بیٹے اور نصف دوسرے بھائی کے دس بیٹوں میں تقسیم ہوگا (۱۵۴) یعنی فروع وہی حصہ پائیں گے جو ان کے اصل کو (بشرط حیات) ملتا۔ یتیم پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی میراث کے مسئلے میں پاکستان میں رائج الوقت قانون (دفعہ ۴ عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ، ۱۹۶۱ء) کے تحت نمائندگی کے مذکورہ بالا اصول کو بلا امتیاز اختیار کر لیا گیا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیلی بحث باب (۷) حجب و حرمان کے تحت آرہی ہے۔)

مصری قانون:

دفعہ ۱۶۔ جب کہ اصحاب فروض میں سے کوئی موجود نہ ہوا، یا موجود ہوا اور ان کے فریضہ حصص دینے کے بعد ترکہ باقی رہا تو اب ترکہ یا اس کا بقیہ بعد از فرائض عصبہ نسبی کو ملے گا۔

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں:

(۱) عصبہ بالنسب، (۲) عصبہ بالنفس، اور (۳) عصبہ مع الغیر

دفعہ ۱۷۔ عصبہ بالنفس کی چار جہتیں ہیں جن میں بعض کو بعض

---

(۱۵۳) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۳، ص ۵۰۴
(۱۵۴) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۴، القسم الرابع، ص ۱۸۹

marfat.com

پر وراثت میں تقدم حاصل ہوگا۔ ترتیب حسب ذیل ہے :۔

(۱) بنوت۔ (بیٹا ہونا) یہ لفظ بیٹوں اور نیچے تک کے تمام پوتوں کو شامل ہے۔

(۲) ابوۃ۔ (باپ ہونا) یہ لفظ باپ اور اوپر تک کے تمام جد صحیح کو شامل ہے۔

(۳) اخوۃ۔ (بھائی ہونا) یہ لفظ حقیقی، پدری، بھائیوں اور ان کی اولاد در اولاد کو شامل ہے۔

(۴) عمومۃ۔ (چچا ہونا) یہ لفظ میت کے چچوں اس کے باپ اور جد صحیح کے اوپر تک کے چچوں کو شامل ہے، خواہ یہ حقیقی ہوں، یا پدری ہوں۔ اور ان کی اولاد در اولاد بھی اس میں شامل ہے۔

دفعہ ۱۸۔ جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو وراثت کا مستحق وہ عصبہ ہوگا جو میت سے درجہ میں زائد قریب ہوگا۔ لیکن اگر جہت و درجہ دونوں میں متحد ہوں تو اب قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی، لہذا جو میت سے دو قرابت رکھتا ہوگا وہ ایک قرابت دار سے وراثت میں مقدم ہوگا۔ اور جب جہت، قرابت، درجہ ہر سہ امور میں اتحاد ہو تو اب ترکہ ان میں مساوی طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۱۹۔ عصبہ بالغیر —

(۱) یہ لڑکیاں ہیں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ نیچے تک کے پوتوں کے ساتھ ہوں، جب کہ یہ سب ایک درجہ میں ہوں یا یہ کسی نیچے کے درجہ میں متحد ہوں، بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ کسی دیگر جہت سے وارث نہ ہوتی ہوں۔

(۳) ہمشیرگان حقیقی، حقیقی بھائیوں کے ساتھ ہوں، یا پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کے ساتھ ہوں۔

marfat.com

اور ان حالات میں ان کے درمیان ترکہ بقاعدہ ''للذکر مثل حظالانثیین،، تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۰۰ - عصبہ مع الغیر - حقیقی یا پدری ھمشیرگان جب کہ ان کے ساتھ میت کی بیٹیاں یا نیچے تک کی پوتیاں موجود ھوں۔ ان کو اصحاب فرائض کے حصص دینے کے بعد بقیہ ترکہ دیا جائے گا۔ اور اس حالت میں یہ حقیقی یا پدری بھائیوں کی مثل متصور ھوں گی، اور تقدیم میں ان کے درمیان مذکورہ جہت و قوت و درجہ کے قرب کا اعتبار کیا جائے گا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۷۴ - (۱) جس صورت میں صاحبان فروض میں سے کوئی موجود نہ ھو یا موجود ھو لیکن ترکہ سب کے فرائض حصص کے بعد باقی رھتا ھو تو یہ بقیہ ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا۔

(۲) نسبی عصبہ تین قسم پر ہے :

(الف) عصبہ نفس، (ب) عصبہ بالغیر، اور (ج) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۷۵ - عصبہ بالنفس کے چار درجات ھیں، جن میں سے بعض بعض پر وراثت میں مقدم ھیں، ترتیب حسب ذیل ہے :-

(۱) بنوۃ (بیٹا ھونا) اس میں اولاد اور پھر اس کی اولاد زیرین درجہ تک سب داخل ہے۔

(۲) ابوۃ (باپ ھونا) اس میں دادا اور اس کے اوپر کے دادوں کا تمام سلسلہ داخل ہے،

(۳) اخوۃ (بھائی ھونا) اس میں حقیقی بھائی، پدری بھائی اور ان کی اولاد در اولاد نیچے تک داخل ہے۔

(۴) عمومۃ (چچا ھونا) اس میں میت کے حقیقی چچا، پدری چچا،

marfat.com

میت کے باپ کے چچے خواہ حقیقی ہوں یا پدری ہوں اور دادا کے چچے اوپر تک اور ان سب کی اولاد نیچے تک داخل ہیں۔

دفعہ ۲۷۶۔ جب کہ عصبہ بالنفس عصوبت کی جہت میں متحد ہوں تو اس صورت میں جو عصبہ میت سے درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بقیہ ترکہ کا مستحق ہو گا۔

اور جس صورت میں کہ عصوبت کی جہت میں بھی برابر ہوں اور درجہ قرابت میں بھی، تو اب قرابت کی قوت کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ حقیقی کی قرابت پدری کی قرابت کی نسبت سے قوی ہوگی، اور جب جہت قرابت و درجہ و قوت میں بھی متحد ہوں گے تو اب تقسیم وراثت مساوی طور پر ہوگی۔

دفعہ ۲۷۷ - (۱) عصبہ بالغیر:

(الف) میت کی لڑکیاں جب کہ لڑکوں کے ساتھ ہوں،

(ب) پوتیاں نیچے تک کی جب کہ ان کے ساتھ پوتے بھی موجود ہوں خواہ اسی درجہ کے ہوں یا پوتیوں سے نیچے درجہ کے ہوں بشرطے کہ اس جہت کے علاوہ ان کو وراثت نہ پہونچے،

(ج) حقیقی ہمشیرگان حقیقی بھائیوں کے ساتھ اور پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کے ساتھ۔

(۲) مذکورہ حالات میں تقسیم ''للذکر مثل حظ الانثیین'' ہوگی، (مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا)۔

دفعہ ۲۷۸ - (۱) عصبہ مع الغیر - حقیقی ہمشیرگان یا پدری ہمشیرگان جب کہ ان کے ہمراہ میت کی بیٹیاں یا پوتے موجود ہوں خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کے ہوں، صاحبان فرض کے بعد بقیہ ترکہ ان کو ملے گا۔

marfat.com

(۲) مذکورہ بالا حالات میں حقیقی ہمشیرگان حقیقی بھائیوں کی مثل متصور ہوں گی، اور پدری ہمشیرگان پدری بھائیوں کی مثل، ان کے درمیان جہت و درجہ و قوت کے اعتبار سے عصبات مذکورہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

دفعہ ۲۷۹۔ (۱) جب کہ عصبی دادا اور حقیقی بھائی، بہنیں یا علاتی بھائی بہنیں جمع ہوں تو دادا تقسیم ترکہ میں ایک بھائی کی مثل حصہ پائے گا بشرطے کہ اس کے ساتھ فقط بھائی ہوں، یا بھائی بہنیں عصبہ ہوگئے ہوں، کسی وارث کی اولاد کے ذریعہ۔

(۲) جب کہ دادا کے ساتھ ایسی بہنیں ہوں جو بھائیوں کی بنا پر عصبہ نہیں ہو سکے ہوں اور نہ کسی وارث کی مونث اولاد کے ذریعہ، تو دادا صاحبان فرض کے بعد عصبہ ہونے کی بنا پر بقیہ ترکہ پائے گا۔

(۳) — — — — — — — — —

(۴) مقاسمہ میں محجوب علاتی بھائی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دفعہ ۲۸۰۔ جب کہ باپ یا دادا، بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں ۱/۶ کا بحیثیت فرض کے اور بقیہ ترکہ کا بحیثیت عصبہ کے مستحق ہوگا۔

تونس کا قانون:

دفعہ ۱۱۳۔ عصبات تین قسم پر ہیں:۔

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۱۱۴۔ عصبہ بنفسہ تنہا ہونے کی صورت میں میت کے کل ترکہ کا وارث ہوگا اور صاحبان فروض کے موجود ہونے کی صورت میں ان سے بقیہ ترکے کا، اور جب کہ کچھ باقی نہ رہے تو محروم ہوگا۔

یہ عصبہ باپ، جد صحیح اوپر تک کا، بیٹا، اور پوتا نیچے تک کا، اور حقیقی یا پدری بھائی، حقیقی یا پدری بھائی کا بیٹا، حقیقی یا پدری چچا، چچوں کا

marfat.com

بیٹا، خواہ اوپر کے چچے ہوں یا نیچے کے جیسا کہ باپ کے چچے اور دادا کے چچے، اور پھر خزانۂ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۵ - عصبہ بنفسہ کے متعدد مراتب ہیں۔ اور ہر مرتبہ دوسرے سے مقدم ہے۔ جو یہ ہیں:-

(۱) بنوۃ (بیٹا ہونا)، (۲) ابوۃ (باپ ہونا)، اور (۳) دادے اور بھائی، یہ سب ایک درجہ کے ہیں، (۴) پھر بھائیوں کی ذکور اولاد، (۵) پھر پھوپیں اور ان کے بیٹے، یہ بھی سب ایک درجہ کے ہیں البتہ قرب کا اعتبار ہوگا، اور (۶) پھر خزانہ عامرہ۔

دفعہ ۱۱۶ - جو مرتبہ میں مقدم ہے وہ وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

دفعہ ۱۱۷ - جب کہ یہ مرتبہ میں متحد ہوں اور درجہ میں مختلف تو قریب تر درجہ کو بعید پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۸ - جب کہ مرتبہ اور درجہ دونوں میں متحد ہوں اور قرابت کی قوت میں مختلف تو قوی کو ضعیف پر مقدم کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱۹ - ہر وہ عورت جس کو مرد اپنے ساتھ کی وجہ سے عصبہ کردے وہ عصبہ بغیرہ کہلاتی ہے، یہ چار عورتیں ہیں:-

(۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) حقیقی ہمشیرہ، اور (۴) پدری ہمشیرہ۔ بیٹی کو بیٹا عصبہ کردے گا یعنی اس کا بھائی، اور اس کے چچا کا بیٹا جب کہ وہ درجہ میں بیٹی کے مساوی ہو بغیر کسی شرط کے، نیز جب کہ نیچے تک کا کوئی پوتا موجود ہو بشرطیکہ اس کو دو تہائی میں کوئی دخل نہ ہو، اور حقیقی یا پدری ہمشیرگان کو ان کے بھائی عصبہ کر دیں گے۔ اگر جد موجود ہوا تو وہ ان کے ایک بھائی کے مثل ہوگا۔

دفعہ ۱۲۰ - جس عورت کا فرض حصہ نہ ہو اور اس کا بھائی عصبہ ہو یہ اپنے اس بھائی کے ساتھ عصبہ نہ ہوسکے گی جیسا کہ پھوپی کے ساتھ

marfat.com

چچا موجود ہو یا چچا کی بیٹی کے ساتھ چچا کا بیٹا موجود ہو یا بھائی کی بیٹی کے ساتھ بھائی کا بیٹا موجود ہو، چنانچہ ترکہ کا مال محض عصبہ کا ہوگا ہمشیرہ کو کچھ نہ ملے گا۔

دفعہ ۱۲۱۔ ہر وہ عورت جو کسی عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہوجائے عصبہ مع الغیر کہلاتی ہے، یہ دو عورتیں ہیں :۔

(۱) حقیقی ہمشیرہ بیٹی یا چند بیٹیوں تک کے ساتھ، یا پوتی و چند پوتیوں کے ساتھ، اور

(۲) سادری ہمشیرہ بیٹی یا چند بیٹیوں کے ساتھ، پوتی اور چند پوتیوں کے ساتھ۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۳۵۔ عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں :

(۱) عصبہ بالنفس، (۲) عصبہ بالغیر، اور (۳) عصبہ مع الغیر۔

دفعہ ۲۳۶۔ عصبہ بالنفس کے استحقاق کی چار جہتیں ہیں، جن میں سے بعض، بعض پر مقدم ہیں۔ ترتیب حسب ذیل ہے :۔

(۱) بنوۃ، (اولاد ہونا) جس میں بیٹا، پوتا نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۲) ابوۃ (باپ ہونا) اس میں میت کا باپ، عصبی دادا، اوپر تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۳) اخوت (بھائی ہونا) اس میں حقیقی اور پدری بھائی اور ان کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

(۴) عموۃ (چچا ہونا) اس میں میت کے چچے حقیقی یا پدری اور میت کے باپ کے چچے اسی طرح کے اور عصبی جد کے چچے اوپر تک کا سلسلہ اور ان سب کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ شامل ہے۔

marfat.com

دفعہ ۲۳۷- (۱) جب کہ عصبہ بالنفس جہت میں متحد ہوں تو ان میں جو میت سے درجے میں قریب تر ہوگا وراثت میں مقدم ہوگا۔

(۲) جب کہ جہت اور درجہ دونوں میں متحد ہوں تو تقدیم قوت کی بنیاد پر ہوگی۔ لہذا جس کی قرابت ماں باپ دونوں جانب سے ہوگی وہ اس پر مقدم ہوگا جس کی قرابت محض باپ کے ذریعہ ہوگی۔

(۳) اور جب کہ جہت، درجہ، قوت قرابت تمام میں متحد ہوں تو اب وراثت کا مال تمام میں مساوی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۳۸- عصبہ بالغیر حسب ذیل ہیں:

(۱) بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں،

(۲) پوتیاں نیچے تک کا سلسلہ پوتوں کے ساتھ ایک درجہ میں ہوں یا پوتے نیچے کے سلسلے کے جب کہ یہ اس کے لئے وراثت کا سبب ہوتے ہوں۔ ان کے بغیر وراثت نہ ملتی ہو۔

(۳) حقیقی ہمشیرین حقیقی بھائیوں کے ساتھ، پدری ہمشیرین، پدری بھائیوں کے ساتھ اور اس وقت تقسیم ترکہ ان کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے قاعدہ پر ہوگی۔

دفعہ ۲۳۹- عصبہ مع الغیر، حسب ذیل ہیں:-

(۱) حقیقی ہمشیرین یا پدری ہمشیرین جب کہ میت کی بیٹیوں یا نیچے تک کی پوتیوں میں سے کسی کے ہمراہ ہو۔ اب ان کو فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ ملے گا۔

(۲) اس حالت میں حقیقی ہمشیرین، حقیقی بھائیوں کے مثل اور پدری ہمشیرین پدری بھائیوں کے مثل ہوں گی اور ان تمام کا حکم باقی عصبات کی نسبت سے تقدیم کے سلسلہ میں جہت، درجہ، اور قوت قرابت کے لحاظ سے ہوگا۔

marfat.com

دفعہ ۲۰۰- جب کہ میت کا باپ یا دادا ایک بیٹی یا نیچے تک کی کسی پوتی کے ساتھ جمع ہوں تو اپنے فرض حصہ کے بعد بقیہ ترکہ بطور عصبہ حاصل کرلے گا۔

دفعہ ۲۰۱- (۱) جب کہ جد عصبی خصوصی طور پر حقیقی یا پدری بھائیوں کے ساتھ جمع ہو خواہ یہ مرد ہوں یا عورتیں یا دونوں مخلوط تو جد کو تمام ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ کے ذریعہ جو حصہ افضل ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۲) اور جب کہ حقیقی اور پدری ہر دو قسم کے بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو کل ترکے کا ایک تہائی یا دفعہ ۲۰۲ جو آئندہ آنے والی ہے اس کے طریقہ مقاسمت کے مطابق جو افضل حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا۔

(۳) اور جب جد ذوی الفروض اور بھائیوں کے ساتھ جمع ہو تو اس کو تمام مال کے چھٹے یا ذوی الفروض کے حصوں کے بعد بقیہ ترکہ کا ایک تہائی یا بھائیوں کے درجہ کے حصہ کی تقسیم کے مطابق سے جو افضل ہو دیا جائے گا۔

رد علی ذوی الفروض

۲۸۳ - ذوی‌الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد کوئی عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں، باقی ماندہ ترکہ زوجین کو چھوڑ کر دیگر ذوی‌الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرلے کا عمل ''رد علی ذوی‌الفروض،، کہلاتا ہے۔ مگر لازم ہوگا کہ زوجین کو صرف اسی صورت میں اس قاعدہ سے خارج کیا جائے جب کہ بیت المال منتظم ہو۔ رد علی ذوی الفروض

تشریح

ترتیب استحقاق کے لحاظ سے حنفی مسلک کے بموجب ذوی الفرض اور عصبات (نسبی و سببی) کی میراث کے بعد رد علی ذوی الفروض کا نمبر آتا ہے۔ رد کے لفظی معنی ''لوٹانے،، کے ہیں۔ میراث میں یہ عول کی ضد ہے۔ عول

marfat.com

کے ذریعہ ، ذوی الفروض کے حصے کم ہوجاتے ہیں ۔ جب کہ رد کے ذریعہ حصے بڑھ جاتے ہیں ۔ چنانچہ ذوی‌الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ بچ رہے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض پر ان کے حصص کے لحاظ سے تقسیم کردیا جاتا ہے ۔ اس تقسیم کے عمل کو علم میراث کی اصطلاح مین ''رد،، کہتے ہیں ۔

رد کا اصول :

رد کا اصول قرآن پاک یا حدیث صریح پر مبنی نہین ہے ۔ بلکہ اس کی بنیاد فقہاء صحابہ کے اجتہاد پر ہے ۔ ائمہ احناف کے نزدیک عصبات نسبی کی عدم موجودگی اور ترکہ باقی رہنے کی صورت میں اگر ذوی الفروض ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد تناسب کے لحاظ سے وہ باقی ترکہ بہی انہیں پھر تقسیم کر دیا جائے گا اگر ذی فروض صرف شوہر یا زوجہ ہو تو بچا ہوا سب اسی کو ملے گا بشرطے کہ عصبات نسبی (یا سببی) یا ذوی الارحام مین سے کوئی موجود نہ ہو، ورنہ ایسی صورت میں جب کہ ذوی الفرض و عصبات موجود نہ ہوں تو ترکہ ذوی الارحام کو ملے گا ۔ کیونکہ احناف کے نزدیک رد صرف ذوی الفروض نسبی پر کیا جاتا ہے ۔ ذوی الفروض سببی (زوجین) پر رد نہیں ہوتا، کیونکہ مقررہ حصے لینے کے بعد حصہ لینے کے واسطے ان کی قرابت باقی نہیں رہتی، الا یہ کہ ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (۱۰۰)

جمہور صحابہ کا یہی مسلک بیان کیا جاتا ہے ۔ حضرت علی کا بھی یہی مسلک ہے ، البتہ حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ ان پر رد نہین کیا جائے گا بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا ۔ عروہ، امام زہری، امام مالک، اور امام شافعی بھی زید بن ثابت کے قول کے اتباع میں رد کے قائل نہیں ہیں شافعی مسلک کے اکثر اصحاب کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ہو تو فاضل ترکہ

(۱۰۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۳
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

marfat.com

ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا، ورنہ بیت المال کا حق ہوگا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ زوجین اور دادی پر رد نہیں کیا جائے گا لیکن حضرت عثمان کے نزدیک زوجین پر بھی رد کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک اس کی بنیاد ''ان الغنم بالغرم،، (زیادتی کے ساتھ کمی ہے) پر ہے یعنی جس طرح عول کے ذریعہ زوجین کے حصہ میں بھی کمی ہوجاتی ہے اسی طرح وہ زیادتی کے بھی مستحق ہیں۔

مخالفین رد کے دلائل:

جو اصحاب رد کے مخالف ہیں وہ اپنے دعوے کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ذوی الفروض کے حصے صریح طور پر مقرر فرما دئے ہیں۔ لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے حصوں میں اضافہ کرے۔ ان کے معین حصے دینے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس کے مستحق قرار نہیں دئے جا سکتے اور بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا کل ترکہ بیت المال کی سلکیت ہوتا ہے۔ جزو کا اعتبار کل پر کیا جائے گا یعنی جو حکم کل کا ہے وہی حکم جزو کا بھی ہوگا۔

قائلین رد (احناف) کے دلائل:

جو اصحاب رد کے قائل ہیں وہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ''اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض،، یعنی بعض اولوا الارحام بسبب رحم کے دوسرے اولو الارحام پر حق میں اولی ہیں۔ چنانچہ یہ آیت اولوا الارحام کے بسبب رحم ان کے کل میراث لینے کے استحقاق پر دلالت کرتی ہے۔ نیز آیت مواریث ان میں سے ہر ایک کے واسطے ترکہ میں سے ایک معین حصے کو بطور استحقاق ثابت کرتی ہے۔ لہذا دونوں آیتوں پر حتی الامکان عمل کیا جائے گا۔ اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ پہلے آیت مواریث کے مطابق ان کے معین حصے دے دئے جائیں اور

marfat.com

کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ''بسبب رحم،، ان کو اس آیت کی بناء پر بقیہ ترکہ کا مستحق قرار دیا جائے اور اسی بناء پر زوجین پر رد نہیں کیا جاتا، کیونکہ ان کے درمیان حقیقی رحم کا تعلق نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ رد کے قائلین عمرو ابن شعیب کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ایک عورت نے جس کے شوہر نے اس سے لعان کیا تھا، بچہ جنا۔ جس کا نسب ماں سے ثابت ہوا۔ جب اس کا بیٹا مرا تو اس نے اپنی ملاعنہ ماں کے سوا کسی وارث کو نہ چھوڑا۔ حضور (صلعم) نے اس بیٹے کے کل ترکہ کا وارث ماں کو قرار دیا۔ (۱۰۶) حضور (صلعم) کے ملاعنہ عورت کے حق میں کل ترکہ دئے جانے کا حکم رد کے اصول پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ ماں کا حصہ ایسی صورت میں از روئے قرآن ایک تہائی مقرر ہے۔ اس لئے ماسوائے رد کے وہ کل ترکہ کی مالک کس طرح قرار پاسکتی تھی! (۱۰۷)

اس کے علاوہ واثلۃ ابن اسقع '' کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور (صلعم) نے فرمایا کہ عورت اپنے ''لقیط،، (وہ بچہ جو راستے میں پڑا مل جائے اور عورت اس کو پال لے) اور ''عتیق،، (وہ غلام جس کو عورت آزاد کیا ہو) اور اپنے بیٹے کی جس کے نسب سے بذریعہ لعان باپ نے انکار کیا ہو کل ترکہ کی وارث ہوگی۔(۱۰۸)

امام سرخسی نے اس مسئلے پر خاصی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جب ترکہ کا مال اصحاب فرائض میں ان کے مقررہ حصص تقسیم

---

(۱۰۶) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳ :
''قال جعل رسول اللہ صلعم میراث ابن الملاعنہ لامہ ولورثتہا من بعدھا،،

(۱۰۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۴۵-۴۷
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۹۲

(۱۰۸) سنن ابو داؤد، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۰۳ :
''عن واثلۃ بن الاسقع عن النبی صلعم قال المراۃ تحوز ثلث مواریث عتیقہا و لقیطہا و ولد ھا الذی لاعنت علیہ،،

marfat.com

کرنے کے بعد باقی رہے اور میت کا کسی طرح کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو، تو شوہر اور زوجہ کو چھوڑ کر باقی مال اصحاب فروض پر ان کے حصوں کے بقدر لوٹا دیا جائے گا۔ ہمارے (حنفی) علماء نے یہی مذہب پسند فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ شوہر اور زوجہ پر بھی دیگر اصحاب فرائض کے مانند رد کرنے کے قائل ہیں، چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جس طرح دیگر اہل فرائض کو بطور رد دیا جاتا ہے ان کو بھی اسی طرح دیا جائے گا۔ یہی قول حضرت جابر بن یزید رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ چھ نفر کے ماسوا دیگر صاحبان فرائض پر رد کیا جائےگا اور یہ چھ نفر حسب ذیل ہیں:-

"(۱) شوہر، (۲) زوجہ، (۳) میت کی بیٹی کے ساتھ جب پوتی ہو، (۴) حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ جب پدری (علاتی) ہمشیرہ ہو، (۵) ماں کے ساتھ جب اس کی اولاد بھی ہو، اور (۶) دادی جب کسی حصے دار کے ساتھ ہو۔"

امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت زید بن ثابت کا قول یہ ہے کہ اصحاب فرائض جب اپنا پورا پورا حصہ لے لیں تو ان سے بچا ہوا مال کسی کی طرف رد نہ کیا جائے بلکہ وہ بیت المال کا حق ہو گا اور اس میں داخل کردیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے اور اسی کو حضرت امام شافعی نے اختیار کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس کا اصل قول یہ ہے کہ شوہر، زوجہ اور دادی کے ماسوا دوسرے اصحاب فرائض پر رد کیا جائے گا۔ (۱۰۹)

رد کی بنیاد:

جیسا کہ مندرجہ بالا مباحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ احناف اس

(۱۰۹) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۳ - ۱۹۲
الاختیار لتعلیل المختار، عبداللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۹

marfat.com

مسئلہ کو ذوی الارحام کے مسئلے کی بنیاد پر قیاس کرتے ہیں اور چوں کہ رد رحم کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے جن لوگوں کا میت سے رحمی تعلق نہیں ہے ان پر رد نہیں کیا جاتا۔ اسی بناء پر شوہر اور زوجہ پر رد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ ذی رحم (حقیقی) نہیں ہوتے۔

میراث کا استحقاق رحم سے قائم ہوتا ہے اور چونکہ احناف کے نزدیک مستحقین وراثت میں ذوی الارحام بیت المال پر مقدم ہوتے ہیں اسی طرح ذوی الفروض (علاوہ زوجین) بقیہ ترکہ میں رحم کے سبب بیت المال پر مقدم ہوں گے۔

مالکیہ :

مالکی مذہب میں رد جائز نہیں۔ چنانچہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت ہوگا، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ ذوی الارحام کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ لیکن متاخرین فقہاء مالکیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق بیت المال کے منتظم نہ ہونے کی صورت میں ذوی الفروض پر رد جائز ہوگا۔(۱۹۰)

شافعیہ :

امام شافعی کے نزدیک ذوی الارحام کسی ترکہ کے مستحق نہیں ہوتے۔ بقیہ ترکہ بیت المال میں دے دیا جائے گا۔ ان کے نزدیک جس طرح ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پاتا ہےاسی طرح عصبات کی غیر موجودگی میں ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا، گویا کہ کوئی ایسا صاحب فرض موجود نہیں جس کو مقررہ حصہ نہ مل چکا ہو۔ چنانچہ علماء شافعیہ کے نزدیک ذوی الفروض کو دینے کے بعد اگر کچھ ترکہ باقی رہے، درآں حالے کہ عصبات موجود نہ ہوں تو باقی ترکہ بیت المال کی

(۱۹۰) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل' صالح عبد السمیع الآبی محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۲
شرح الکبیر مع حاشیہ دسوقی، مطبوعہ مصر، ۱۹۱۱ء، ج ۳، ص ۳۸۱
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲،ص ۳۵۲

marfat.com

ملکیت ہوگا، بشرطے کہ امام عادل کے قبضہ میں ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو تو بقول صاحب مہذب شافعیہ اہل تنزیل (۱۶۱) کے وہ ترکہ ذوی الفروض نسبی پر ماسوائے زوجین کے ان کے حصوں کے تناسب سے رد کیا جائے گا، اگر ذوی الفروض نسبی نہ ہوں تو (بشرط عدم انتظام بیت المال) ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن شافعیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جاسکتا بقیہ ترکہ بیت المال کا حق ہوگا (جو عام مسلمین کی بہبود پر صرف کیا جائے گا) ۔ اگر بیت المال منتظم نہ ہو تب بھی ذوی الفروض پر رد نہ کیا جائے گا کیونکہ مسلمین کبھی معدوم نہیں ہوتے بلکہ جس وارث کے قبضہ میں مال ہوگا وہ خود مصالح عامہ پر صرف کرے گا۔ (۱۶۲)

محاکمہ :

منجملہ امام مالک و امام شافعی، جو اصحاب رد کے قائل نہیں ہیں ان کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ذوی الفروض کے حصے قرآن پاک میں مقرر فرمادئے ہیں اور چونکہ ان کے حصے صریح نص کے ذریعہ مقرر ہیں اس لئے ان پر زیادتی ممنوع ہوگی، کیونکہ ان میں زیادتی کرنا حد شرعی سے تجاوز کرنا متصور ہوگا اور اللہ تعالی کی مقرر کردہ حد شرعی میں تجاوز کرنے والے کے حق میں سخت وعید آئی ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے خود آیت مواریث کے آخر میں فرمایا ہے ’’ ومن یعص اللہ و رسولہ و یتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا، ولہ عذاب مھین،، ۔(۱۶۳) ’’کہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا اس کو اللہ تعالی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں داخل کرے گا اور اس کے واسطے ذلت آمیز عذاب ہے۔،، چنانچہ رد کا طریقہ اختیار کرنے میں حد سے

---

(۱۶۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ میں دو گروہ تھے جن میں سے ایک گروہ باوجود شافعی ہونے کے ’’اہل تنزیل،، کہلاتاتھا جس کو دوسرے لفظوں میں ’’اہل قرآن،، کہا جا سکتا ہے۔ (مؤلف)

(۱۶۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل ، صالح عبد السمیع الآبی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۳۲
احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۲۰۰
المہذب (فقہ شافعی)، ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۱۶۳) کتاب الام، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۴، ص ۷۶
۴ : ۱۴ (النساء) م

marfat.com

تجاوز کرنا لازم آجاتا ہے ، جس کو اللہ تعالی نے تجاوز کہہ کر نافرمانی کرنے والے کو وعید (عذاب) کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

مخالفین رد کی جانب سے رد کے ابطال میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ رد کی بنیاد تین امور پر ہوسکتی ہے۔ ایک فرضیت، دوسرے عصوبت اور تیسرے رحم۔ رد کے ذریعہ ذوی الفروض کو بقیہ ترکہ دینا بہ اعتبار فرضیت کے نہیں ہو سکتا، کیونکہ رد کے قائلین زوجین پر رد نہیں کرتے، حالانکہ اگر رد کے ذریعہ ورثہ پانے کی بنیاد فرضیت پر قائم ہوتی تو شوہر اور زوجہ جو ذوی الفروض ہیں ان کو محروم نہ کیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ ہر ذی فرض کو اس کا حصہ جو قرآن میں مقرر ہے مل چکا ہے۔ اس لیے فرضیت کے سبب بقیہ ترکہ دینا رد کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح، عصوبت بھی رد کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس بنیاد پر ''الاقرب فالاقرب،، کا اصول اختیار کرنا پڑے گا اور رد میں یہ اصول اختیار نہیں کیا جاتا۔ یعنی عصوبت کے اعتبار سے جو وارث رشتے میں زیادہ قریب ہوتا ہے وہ دور کا رشتہ رکھنے والے کے مقابلے میں وراثت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ لیکن رد میں اقرب کو مقدم نہیں کیا جاتا، بلکہ بقیہ ترکہ صرف نسبی ذوی الفروض میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ذوی الفروض کی بنیاد عصوبت پر نہیں ہے۔

اسی طرح ورثے میں رحم کے ذریعہ جو استحقاق ہوتا ہے وہ بھی حقیقت میں عصوبت کے سبب ہوتا ہے اور اسی بناء پر اس میں اقرب مقدم ہوتا ہے۔ جس کا لحاظ رد میں نہیں کیا جاتا۔ لہذا مخالفین رد کے نزدیک رد کی مذکورہ بالا تینوں بنیادیں غیر صحیح قرار پائیں۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رحمی رشتہ کے اعتبار سے رد کرنا اور مستحق ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ عصوبت کے اعتبار سے ہو۔ لہذا اس رشتہ سے استحقاق در حقیقت عصوبت کی بناء پر متصور ہوگا۔ اسی بناء پر زوج اور زوجہ پر رد نہ ہو سکے گا (کیونکہ یہ باہم عصبہ نہیں ہیں)۔ عصوبت

marfat.com

قرابت یا اس کے مشابہ تعلق سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ولاء قرابت کے مشابہ ہے اور زوجیت میں یہ صفت موجود نہیں ہوتی، اس لئے اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو زوجیت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف عصوبت کے کہ وہ بدستور قائم رہتی ہے۔ چونکہ ان کا صاحب فرض ہونا قرآنی نص سے ثابت ہے اس لیے اس کے مطابق عمل کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن نص قرآنی کے ماسوا دیگر محل میں ذوی الفروض کا استحقاق ثابت نہ ہوگا، کیونکہ استحقاق کا سبب دوسرے محل پر موجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح میت کی بیٹی کے موجود ہوتے ہوئے نواسی پر رد نہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ رد کے موقعہ پر ایسی ہوں گی جیسے کہ بیٹے کے ساتھ پوتا موجود ہو، چنانچہ اقرب کو ابعد پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح حقیقی ہمشیرہ کے ہوتے ہوئے پدری (علاتی) ہمشیرہ پر رد نہ ہوگا، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے حقیقی بھائی کے ساتھ پدری (علاتی) بھائی موجود ہو نیز ماں کے ساتھ اگر اس کی اولاد موجود ہو تو اولاد پر رد نہ ہوگا۔ الغرض رد کے ذریعہ اصحاب فروض کو بقیہ ترکہ دینا حضرت ابن مسعود کے نزدیک باطل قرار پایا۔

امام سرخسی نے مخالفین رد کے مندرجہ بالا دلائل کا ذکر کرنے کے کے بعد لکھا ہے کہ علمائے احناف اللہ تعالی کے قول ''واولواالارحام بعضھم اولی ببعض،، سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کہ بعض (قرابت دار) دوسروں کے مقابلہ میں بسبب رحم کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ یہ آیت رحم کے سبب ان میں سے ہر ایک کے لیے کل میراث کا استحقاق ثابت کرتی ہے۔ اور آیت مواریث جس میں اللہ تعالی نے ذوی الفروض کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔ اس کے ذریعہ ہر ایک کے واسطے مال میں سے ایک معلوم حصے کا استحقاق ثابت ہوتا ہے کیونکہ ان کے حصوں کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے علماء احناف عصبہ نہ ہونے کی صورت میں دونوں آیتوں پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ پہلے صاحب فرض کو اس کا مقررہ حصہ دے دیتے ہیں۔ پھر جو بچتا ہے اس کو ذوی الفروض میں رحمی تعلق کے سبب سے تقسیم کردیا جاتا ہے۔

marfat.com

یہ کہنا کہ ذوی الفروض پر رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ دینا حد شرعی سے تجاوز کرنا ہے، غلط ہوگا۔ کیونکہ جس طرح عول کے ذریعہ مقررہ حصوں میں کمی کی جاتی ہے جو اجماع سے ثابت ہے، اسی طرح مقررہ حصوں میں زیادتی بھی ہو سکتی ہے۔

حنبلی مسلک :

حنبلی مسلک اصح قول کے بموجب حنفی مسلک کے مطابق ہے۔ (۱۶۳)

زوجین پر رد نہ کرنے کا حکم اور اس کی بنیاد :

جہاں تک زوجین پر رد نہ کرنے کے مسئلے کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ متقدمین حنفیہ کے قول کے مطابق زوجین محض اپنے معین حصہ ہی کے مستحق ہیں، بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم۔ لیکن متاخرین حنفیہ کا فتوی اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو اور اس کے مصارف شرعی طور پر معین ہوں۔ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر ورثاء بشمول ذوی الارحام نہ ہونے کی صورت میں بقیہ مال زوجین میں سے جو موجود ہو اس پر رد کیا جائے گا۔

زوجین پر رد نہ کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ رد کا سبب ایسی قرابت ہے جو رحم کے سبب قائم ہو۔ شوہر یا بیوی (جیسی بھی صورت ہو) میں موت کی وجہ سے ان کی باہم قرابت باقی نہیں رہتی اور نہ ان کے درمیان قرابت بذریعہ رحم قائم ہوتی ہے بلکہ جو قرابت ان کے درمیان قائم ہوتی ہے وہ نکاح کے سبب سے ہوتی ہے جو موت کے ذریعہ ختم ہوجاتی ہے۔ اس لیے مقررہ حصہ دینے کے بعد کوئی ایسی وجہ بر بناء قرابت باقی نہیں رہتی جو رد کے ذریعہ بقیہ ترکہ مین زائد حصہ دئے جانے کا شرعی سبب بن سکے، البتہ اگر ان کے

---

(۱۶۳) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۰۱
المقنع، عبداللہ ابن احمد المقدسی، مطبعۃ السلفیہ، ج ۲، ص ۳۲۳

marfat.com

درمیان زوجیت کے علاوہ کسی دیگر سبب سے نسبی قرابت پائی جاتی ہو تو اس قرابت کی وجہ سے ان پر رد کیا جاسکے گا۔

متاخرین حنفیہ کا فتوی :

علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ و النظائر میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں زوجین میں سے کسی ایک کا مقررہ حصہ دے کر جو ترکہ بچ رہے، وہ اسی پر رد کر دیا جائے گا (جب کہ کوئی دوسرا ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو) ۔(۱۶۵)

صاحب رد المحتار نے امام غزالی کی تصنیف ''المستصفی،، سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ مستحقین میراث نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد جائز ہے۔ نیز محقق احمد بن یحیی بن سعد تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ بہت سے متاخرین مشائخ نے زوجین پر رد کرنے کا فتوی دیا ہے، جب کہ ان کے علاوہ میت کا کوئی وارث موجود نہ ہو، کیوں کہ اولی الامر میں دینی فساد پیدا ہو گیا ہے اور حاکم ظالم ہو چلے ہیں۔ (یہی معنی بیت المال کے غیر منتظم ہونے کے ہیں)۔ اس کو متاخرین شافعیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ صاحب رد المحتار نے درالمنتقی کی عبارت اس کے خلاف نقل کرتے ہوئے بذات خود اس کی تردید کی ہے اور امام غزالی کے قول کو پسند کیا ہے کہ اقرباء اصلا موجود نہ ہونے کی صورت میں زوجین پر رد کرنا جائز ہے۔(۱۶۶)

چناں چہ متقدمین حنفیہ کا قول ''کہ زوجین اپنے معین حصے ہی کے مستحق ہیں، خواہ بیت المال منتظم ہو یا غیر منتظم،،، دور حاضر میں مفتی بہ نہ رہا بلکہ متاخرین کے نزدیک فتوی اس پر ہے کہ زوجین پر رد نہ ہونا اس شرط پر ہے کہ بیت المال کے انتظام میں کسی طرح کا فتور اور خلل نہ ہو، یعنی اس کے مصارف شرعی طور پر متعین ہوں چناں چہ اگر بیت المال منتظم نہیں تو دیگر ورثاء (بشمول ذوی الارحام) کے نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ زوجین پر رد کیا جائے گا۔

---

(۱۶۵) الاشباہ، ابن نجیم، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۶۸ء، ص ۲۹۷

(۱۶۶) رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۵۶

متاخرین کے فتوے کے بموجب ایسے ممالک میں جہاں سرے سے شرعی بیت المال کا کوئی نظام ھی نہیں یا شرعی بیت المال منتظم نہیں وھاں زوجین پر رد کیا جانا انسب اور اصح معلوم ھوتا ھے اور اسی پر عمل کیا جانا چاھئے۔

شیعی مسلک :

شیعہ زیدیہ و امامیہ فقہاء بھی رد کے قائل ھیں ، لیکن زوجین میں سے بیوی پر تو کسی حال میں بھی رد کے قائل نہیں اور شوھر پر رد کے صرف اس صورت میں قائل ھیں جب کوئی اور ذی فرض وارث موجود نہ ھو۔ چناں‌چہ اگر تنہا شوھر وارث ھو تو اس‌کو اس کا مقررہ حصہ (نصف) دے کر ماباقی نصف رد علی ذوی الفروض کے قاعدے سے ملے گا۔ لیکن بہ موجودگی دیگر ورثاء شوھر یا زوجہ کسی بھی حالت میں رد سے مستفید نہیں ھو سکتے۔ البتہ اگر میت کے شوھر کے سوا اور کوئی وارث نہ ھو تو وہ شوھر اپنا حصہ میراث کے علاوہ ما بقی اصول رد کے ذریعہ حاصل کرے گا لیکن میت کی وارث اگر صرف زوجہ ھو تو ان کا اجماعی نقطۂ نظر یہ ھے کہ وہ صرف اپنا چوتھائی حصہ حاصل کریگی ما بقی امام یا حکومت کو ملے گا ، زوجہ کی طرف کبھی رد نہ ھوگا۔(۱۶۷)

محقق الحلی نے لکھا ھے کہ زوجہ کے حق میں رد کے سلسلہ میں تین قول ھیں ایک یہ کہ اس پر رد کیا جائے گا ، دوسرا یہ کہ رد نہیں کیا جائےگا اور تیسرا یہ کہ اس کے حق میں عدم امام کی صورت میں ردکر دیا جائے گا ، علامہ الحلی کے نزدیک حق یہ ھے کہ زوجہ پر رد نہ کیا جائے۔(۱۶۸)

جسٹس امیر علی نے اپنی کتاب محمڈن لاء میں لکھا ھے کہ عہد حاضر میں امام کا قائم مقام کوئی نہیں ھے جو بقیہ ترکہ حاصل کر سکے اس لیے

---

(۱۶۷) مفتاح الکرامة شرح قواعد العلامہ، جواد بن محمد بن حسین العاملی، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۶ھ، ج ۸، ص ۱۱۳
التركة والميراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۱۹

(۱۶۸) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، القسم الرابع، المجلد الثانی، ص ۱۸۳

marfat.com

شرائع اسلام میں جو قاعدہ لکھا ہے وہ ختم ہو چکا ہے ۔ آج کل جدید ماہرین قانون بقیہ حصہ بھی زوجہ کو بذریعہ رد دینے کے حق میں ہیں -(۱۶۹) ایران کے موجودہ قانون کے تحت بھی یہی صورت ہے ۔ چنانچہ اگر صرف زوجہ موجود ہو اور کوئی ذی فرض یا عصبہ وارث نہ ہو تو زوجہ کل ترکہ کی مستحق ہوگی-(۱۷۰)

شیعی مسلک کے مطابق میت کے ورثاء میں باپ اور بیٹی کے علاوہ دو یا زائد حقیقی یا علاتی بھائی یا ایک ایسا بھائی اور دو ایسی بہنیں یاچار ایسی بہنیں ہوں تو بھائی بہن اگرچہ طبقہ دویم کے وارث ہونے کی وجہ سے خود محروم ہوں، لیکن ماں کو بھی رد کے استفادہ سے محروم کردیتے ہیں، چنانچہ ایسی صورت میں حسب تناسب صرف باپ اور بیٹی کو ملے گا۔ ماں ہمیشہ ذی فرض ہی رہتی ہے اس پر ما بقوا رد نہیں کیا جاتا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ مسئلہ شیعہ فرقہ میں رد سے متعلق ہی نہیں ہے اور ماں کے استحقاق یا عدم استحقاق یا رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مسئلہ مذکورہ میں بیٹی بحیثیت ذوی الفروض لے کر بقیہ باپ بحیثیت عصبہ لےلے گا اور رد کے لئے کچھ نہ بچے گا۔

اسی طرح شیعی فقہ میں اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ جب حقیقی بہنیں بھی موجود ہوں تو انہیں بھی رد میں کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ کل بقیہ اخیافی بہنوں کی طرف رد ہوجاتا ہے ۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ صاحب شرائع الاسلام کے نزدیک اخیافی بہن رد سے کلیتاً محروم ہے لیکن صاحب کافی کے نزدیک رد کا حصہ انہیں بھی پہنچتا ہے ۔

راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ میں بھی رد کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اگر حقیقی بہنیں اور اخیافی بہنیں موجود ہیں پھر یہ مسئلہ کلالہ

---

(۱۶۹) محمڈن لاء، امیر علی، سید ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۱۲۳

(۱۷۰) قانون الایرانی راجع المیراث عند الجعفریۃ، ابوزھرہ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۰۹ء، دفعہ ۹۵۰، صص ۸۱ - ۸۰

کے سبب اخیافی بہنوں کو ایک تہائی اور حقیقی بھائی بہنوں کو دو تہائی ترکہ دیکر ختم ہو جاتا ہے۔

ظاہریہ مسلک :

امام ابن حزم الظاہری نے اپنی کتاب ''المحلی'' میں لکھا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی دیگر مستحق موجود نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی مصالح پر صرف کیا جا سکے گا۔ (کیونکہ ایسا کرنا) قرآن و سنت اور اجماع کے تحت واجب نہیں ہے البتہ دیگر ذوی الارحام محتاج و تنگ دست ہوں تو ان کو ان کی ضرورت کے مطابق دے کر باقی مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔ امام ابن حزم کے دلائل بھی امام شافعی کے قریب قریب ہیں۔(۱۷۱)

نتیجہ فکر :

ہمارے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے خلاف، ذی‌فرض سے ترکہ بچ رہنے اور کسی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں، رد کیا جانا کسی وعید کا موجب نہیں ہوسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالی نے آیت مواریث کے بعد اس کی خلاف ورزی اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے، لیکن اس سے اللہ تعالی کا منشاء یہ ہے کہ جن قرابت داروں کے حق میں جو حصے قرآن کے ذریعہ مقرر کردیئے گئے ہیں ان حصوں سے ان قرابت داروں کو ہر گز محروم نہ کیا جائے۔ لہذا اصحاب فرائض کو ان کے حصے دے کر اگر عصبہ نہ ہوں تو بقیہ انہیں پر رد کردینا منشاء قرآنی کے خلاف نہیں ہے اور نہ اسے حد شرعی سے تجاوز کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ عصبہ کی غیر موجودگی میں اصحاب فرائض میت کے ذی رحم اقرب قرابت دار ہونے کی حیثیت سے بمقابلہ ذوی الارحام بیت المال کے زیادہ مستحق ہیں اور اس طرح آیت قرآن ''اولو الارحام بعضہم اولی ببعض'' اور میراث کے اصول ''الاقرب

---

(۱۷۱) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، جلد ۹، ص ۳۸۰

فا الاقرب،، پر عمل ہوجاتا ہے ۔ تقریباً یہی بات امام سرخسی نے بھی کہی ہے۔(۱۷۲)

عرب ممالک میں رد کا قانون :

مصر مین از روئے دفعہ ۳۰ قانون المواریث نمبر ۷۷، ۱۹۴۳ع قرار دیا گیا ہے کہ جب ترکہ ذوی الفروض کے مقررہ حصہ دینے کے بعد بچ رہے اور کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو زوجین کو چھوڑ کر ذوی الفروض پر ان کے مقررہ حصوں کی نسبت سے رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی عصبہ نسبی یا ذی فرض نسبی یا ذوی الارحام مین سے کوئی موجود نہ ہو تو زوجین مین سے ایک پر (جو زندہ ہو) رد کیا جائے گا۔(۱۷۳) ملک شام کا قانون بھی مصر کے مطابق ہے(۱۷۴) البتہ تیونس کے قانون التشریع مین اس کی کوئی صراحت نہین پائی جاتی۔ مراکش کے قانون مین بھی اس سے متعلق کچھ نہ مل سکا۔ چونکہ مراکش مین مالکی مذہب معمول بہ ہے اور مالکی فقہ کی رو سے جائز نہین، اس لیے مراکش مین رد کا قانون نہین ہے ۔ متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہین :۔

مصری قانون :

دفعہ ۳۰ ۔ جب کہ ترکہ اصحاب فروض مین مستغرق نہ ہو اور کوئی عصبہ نسبی بھی موجود نہ ہو تو باقی ترکہ زوجین کے علاوہ دیگر اصحاب فروض پر ان کے مقررہ حصوں کے مطابق رد کردیا جائے گا اور جس حالت میں کہ صاحبان فرض اور عصبہ نسبی کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ ذوی الارحام ہوں تو اب زوجین پر رد کیا جائے گا۔

---

(۱۷۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۳-۱۹۳

(۱۷۳) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، نمبر ۷۷، ۱۹۴۳ع، دفعہ، ۳۰ :
''اذالم تستغرق الفروض الترکة ولم یوجد عصبة من النسب رد الباقی علی غیر الزوجین اذالم یوجد عصبة من النسب رد احد اصحاب الفروض النسبیة او احد ذوی الارحام ۔،،

(۱۷۴) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، ۱۹۵۳ع، دفعہ ۲۸۸

marfat.com

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۸- (۱) جب کہ ترکہ صاحبان فرض کے حصص سے باقی رہا ہو، اور کوئی نسبی عصبہ‌موجود نہ ہو، تو زوجین کے علاوہ دیگر صاحبان فرض پر ان کے حصص کے مطابق بقیہ ترکہ رد کر دیا جائے گا۔

(۲) جب کہ میت کا کوئی عصبہ نسبی یا کوئی صاحب فرض نسبی یا ذوی الارحام سے کوئی وارث موجود نہ ہو، تو اب بقیہ ترکہ زوجین پر رد کر دیا جائے گا۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطۂ نظر :

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے رد کے مسئلے میں حنفی مسلک کی متابعت میں اپنے فیصلے دئے ہیں البتہ جب سوائے شوہر یا زوجہ کے کوئی وارث موجود نہ ہو تو رد کے ذریعہ ترکہ کا مستحق زوجہ یا شوہر (جو موجود ہو) کو قرار دیا ہے، کیونکہ بیت المال کا کوئی وجود نہ تھا۔ بمقدمہ گوجا دھر پرشاد بنام شیخ عبداللہ قرار دیا گیا کہ جب ذوی الفروض موجود ہوں مگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو بقیہ ترکہ ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے بموجب ما سوائے زوجین کے رد کیا جائے گا نیز یہ کہ کسی ایسے شخص کی موجودگی، جو ذوی الارحام میں سے ہو، ذوی الفروض کے حق میں رد کی مانع نہ ہوگی۔(۱۷۵)

بمقدمہ محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو قرار دیا گیا کہ ذوی الفروض اور ذوی‌الارحام کی غیر موجودگی میں بیوہ کو بقیہ ترکہ رد کیا جائے گا۔(۱۷۶)

بمقدمہ کوناری بی‌بی بنام ولیم بی‌بی قرار دیا گیا کہ فی الاصل ایک بیوہ رد کے ذریعہ کسی حصے کی مستحق نہیں ہوتی لیکن اس کے حق میں خزانہ عامرہ کے خلاف یہ استثناء کیا گیا ہے کہ اگر ذوی الارحام بھی موجود

---

(۱۷۵) WR, 220

(۱۷۶) 3-C, 702

marfat.com

نہ ہوں تو وہ بقیہ ترکہ اس پر رد کیا جائے گا۔(۱۷۷)

ایک اور مقدمہ بفاتن بنام قائم میں قرار دیا گیا کہ دوسرے نسبی ذوی الفروض اور ذوی الارحام کے نہ ہونے کی صورت میں وہ جائداد کسی مرد یا عورت نے چھوڑی ہو بیوی یا اس کے خاوند کو رد کے ذریعہ مل جاتی ہے۔(۱۷۸)

۳۔ ذوی الارحام

ذوی الارحام کی تعریف

۲۸۴۔ میت کے وہ قرابت دار جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبات، ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

تشریح

''ذوی،، لفظ ''ذی،، کی جمع اور لفظ ''ارحام،، لفظ ''رحم،، کی جمع ہے۔ دونوں مل کر ''ذوی الارحام،، الفاظ ''ذی رحم،، کی جمع ہیں۔ جس کے لغوی معنی قرابت دار کے ہیں۔ علم المیراث کی اصطلاح میں ہر وہ قرابت دار ذی رحم کی تعریف میں شامل ہے جو نہ صاحب فرض ہو (جس کا حصہ قرآن پاک، سنت رسول یا اجماع امت سے مقرر شدہ ہے) اور نہ عصبہ ہو۔ (۱۷۹)

ذوی الارحام کی میراث

۲۸۵۔ ذوی الفرض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد میراث کے مستحق ذوی الارحام ہوتے ہیں۔

تشریح

احناف کے مسلک کے بموجب ذوی الفروض، عصبات اور رد علی ذوی الفروض کے بعد ذوی الارحام میراث پانے کے مستحق ہیں۔(۱۸۰)

میت کے قرابت داروں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ذوی الفروض کا درجہ ہے جن کے حصے مقرر ہیں۔ اس کے بعد عصبات

---

(۱۷۷) 11-C, 14

(۱۷۸) 30-C, 683

(۱۷۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

(۱۸۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۹۵-۹۳

marfat.com

آتے ہیں جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد بقیہ ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں اور اگر کوئی ذی فرض نہ ہو تو کل ترکہ پانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ذوی الفروض اور عصبات کے بعد تیسرا درجہ ذوی الارحام کا ہے۔ ''ذوی الارحام،، وہ اقارب ہیں جو نہ ذوی الفروض ہیں اور نہ عصبات۔

یہی نقطہ نظر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا ہے۔ چنانچہ بمقدمہ عمر دین بنام محمد بخش قرار دیا گیا کہ اسلامی قانون میں ذوی الارحام کی اصطلاح میں وہ تمام خونی رشتے دار شامل ہیں، خواہ قریبی ہوں یا دور کے جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔ (۱۸۱)

چنانچہ ذوی الارحام میں وہ ورثاء شامل ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ ہوں۔ احناف کے نزدیک اگر ذوی الفروض موجود نہ ہوں اور نہ عصبات نسبی یا سببی تو ترکہ کے مستحق ذوی الارحام ہوں گے۔ شوہر یا زوجہ موجود ہوں تو ان کے حصص دینے کے بعد باقی ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک ذوی الارحام پر بیت المال مقدم ہے، بشرطے کہ منتظم ہو۔(۱۸۲) چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیت المال منتظم نہ ہو اور ذی الفروض یا عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام مستحق ہوں گے۔ یہی مسلک مالکیہ کا بھی ہے لیکن حنبلیہ کے نزدیک بیت المال کا کوئی حق نہیں۔(۱۸۳)

احناف کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبات کے بعد ذوی الارحام کو مستحق قرار دینے کی بناء یہ ہے کہ وہ بہرحال میت کے قرابت دار ہیں۔(۱۸۴) اس لیے ان کے نزدیک بیت المال کا درجہ سب سے آخر میں ہے اور راقم الحروف کے نزدیک یہی نقطہ نظر انسب ہے۔

---

(۱۸۱) 77 PLR 1904 27RP 1940

(۱۸۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۱۹۲ - ۱۹۳

(۱۸۳) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۷

(۱۸۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵

marfat.com

بہر کیف مختلف صحابہ و تابعین و ائمہ مذاہب کے درمیان ذوی الارحام کی میراث کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔(۱۸۵) جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حنفی مسلک :

جمہور صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو عبیدہ ابن الجراح، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ذوی الارحام کی توریث کے قائل ہیں۔ تابعین میں علقمہ، ابراہیم نخعی، شریح، حسن بن زیاد، ابن سیرین، عطا اور مجاہد بھی اس کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ صاحبین، امام زفر اور دیگر حنفی ائمہ نے بھی مذکورہ صحابہ و تابعین کا مسلک اختیار کیا ہے۔(۱۸۶)

حنبلیہ :

حنبلیہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں۔(۱۸۷)

مالکیہ و شافعیہ :

زید بن ثابت اور ایک شاذ روایت کے بموجب ابن عباس ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اصحاب فرائض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا۔ تابعین میں حسن، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی بھی ذوی الارحام کی عدم توریث کے قائل ہیں۔(۱۸۸)

---

(۱۸۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۲
المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا ج ۷، ص ۲۲۹
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۵
رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، (۱۲۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۵۶

(۱۸۶) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

(۱۸۷) المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۸۳ - ۸۲

(۱۸۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۹

marfat.com

مخالفین میراث ذوی الارحام کے دلائل :

جو ائمہ فقہاء ذوی الارحام کی توریث کے قائل نہین ہین وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید مین دو دلیلین پیش کرتے ہین :۔

''۱۔ ایک یہ کہ اللہ تعالی نے آیات مواریث مین ذوی الفروض اور اور عصبات کے حصوں کا ذکر کیا ہے، ذوی الارحام کا کوئی ذکر نہین۔ اگر ذوی الارحام کا کوئی حصہ ہوتا تو اللہ تعالی اس کو ضرور بیان فرماتا۔

۲۔ دوسری دلیل حدیث رسول (صلعم) پر مبنی ہے وہ یہ کہ حضور (صلعم) سے پھوپی اور خالہ کی میراث کے بارے مین دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ ان دونوں کے لیے کوئی حصہ نہین۔،،(۱۸۹)

قائلین میراث ذوی‌الارحام کے دلائل :

ذوی الارحام کی توریث کے قائل حضرات اپنے دعوے کے ثبوت مین اللہ تعالی کا فرمان ''و اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض،، پیش کرتے ہین۔ یعنی میراث لینے مین بعض قرابت داروں کو بعض پر ترجیح ہے۔ چنانچہ اس آیت سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل وراثت، ''سواخات،، کے ذریعہ قائم ہوتی تھی۔ جس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ جو حقوق اس زمانے مین سواخات کےسبب حاصل تھے وہ ذوی الارحام کو مل گئے۔ ذوی الارحام مین لغت کے اعتبار سے ہر قرابت دار شامل ہے خواہ ذی فرض ہو یا عصبہ۔ اللہ تعالی نے ان مین سے بعض کے حصے مقرر فرمادیے اور بعض عصبہ کی حیثیت سے میراث کے مستحق قرار پائے لہذا اس آیت سے ان مذکورہ دو قسموں کے ماسوا دیگر ذوی الارحام کی میراث ثابت ہوگئی۔

(۱۸۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۶

marfat.com

استحقاق میراث وصف عام سے ہوتا ہے یعنی ذو رحم (قرابت دار) ہونا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ایک ہی شخص میں وصف عام اور خاص دونوں پائے جائیں۔ دونوں وصفوں کا ایک وقت میں موجود ہونا آپس میں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ لہذا جس کسی شخص کے حق میں وصف خاص نہ ہو تو استحقاق وصف عام سے ثابت ہوسکتا ہے۔ لہذا ذوی الارحام کو مستحق میراث ٹھیرانے کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب اللہ پر اضافہ ہے۔

قائلین میراث ذوی الارحام (احناف) اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ چند احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ ایک شخص نے سہیل بن حنیف کی طرف تیر پھینکا جو تیر لگنے سے مرگئے۔ ان کا سوائے ان کے ماموں کے کوئی وارث نہ تھا۔ ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ ماموں وارث ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ''کہ اللہ اور رسول وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں، اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہیں۔(۱۹۰)

۲۔ ثابت بن دحداح مرگئے تو نبی (صلعم) نے قیس بن عاصم سے دریافت فرمایا ''کہ تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ اس متوفی کا کوئی رشتہ دار ہے۔،، انھوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم میں ایک مسافر تھا، ہم اس کے کسی وارث کو نہیں جانتے۔ مگر یہ کہ اس کی بہن کا ایک بیٹا ہے جس کا نام غالباً ابو لباب ابن عبداللہ بن منذر ہے، آپ نے اس متوفی کی میراث ابو لباب کو دے دی۔(۱۹۱)

---

(۱۹۰) ترمذی، امام ترمذی، مطبوعہ کراچی، ص ۳۰۶
''عن ابی امامۃ بن ابی سہل بن حنیف قال کتب معی عمر بن الخطاب الی ابی عبیدۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اللہ و رسولہ مولی من لا مولی لہ والخال وارث من لاوارث لہ۔،،

(۱۹۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳
المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۸۵

marfat.com

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ بھی ذوی الارحام کی میراث کے قائل ہیں۔(۱۹۲)

ظاہریہ :

ظاہریہ ذوی الارحام کی میراث کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ذوی الفروض و عصبات و مولی عتاقہ اور اس کے عصبات و مقرلہ بالنسب نہ ہونے کی صورت میں میت کا ترکہ بیت المال میں داخل ہوگا۔(۱۹۳)

ذوی الارحام کی ترتیب توریث

۲۸۶۔ ذوی الارحام کی ترتیب توریث حسب ذیل ہے :-

(۱) وہ جو میت کی طرف منسوب ہوں مثلاً میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد،

(۲) جن کی طرف میت منسوب ہو مثلاً نانا، نانا کا باپ، نانا کی ماں، یا نانا کی نانی وغیرہ۔

(۳) جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں مثلاً بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائی، بہنوں کی اولاد وغیرہ، اور

(۴) وہ جو میت کے دوجد یا دو جدہ کی طرف منسوب ہوں، یعنی دادا، نانا، دادی، نانی کی طرف مثلاً عینی، علاتی، یا اخیافی پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں وغیرہ۔

تشریح

دفعہ ھذا میں مذکور ذوی الارحام کی ترتیب توریث میں حسب ذیل قواعد کا لحاظ ضروری ہوگا۔

(۱) ذوی الفروض اور عصبات میں سے اگر کوئی موجود نہ ہو تو ذوی الارحام وارث ہوں گے اور اگر ذوی الفروض میں سے صرف خاوند یا بیوی ہوں

(۱۹۲) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، صص ۱۸۹ - ۱۹۰

(۱۹۳) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۸۰

marfat.com

تب بھی ان کے ساتھ ذوی الارحام وارث ہوں گے ۔ مثلاً اگر خاوند اور نانا ہوں تو خاوند کا حصہ دے کر باقی نانا کو ملے گا۔

(۲) اگر ذوی الارحام میں صرف اکیلا ہی شخص ہو تو اس کو کل ترکہ (مثل عصبہ کے) مل جائے گا۔

(۳) جب تک درجہ اول کے ذوی الارحام میں کوئی بھی موجود ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو، درجہ دوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح درجہ دوم میں کوئی بھی ذی رحم ہو گو درجہ میں کتنے ہی نیچے ہو درجہ سوم کے کسی ذی رحم کو ورثہ نہیں ملے گا، علی ھذا القیاس، باقی درجوں میں بھی یہی ترتیب ہوگی۔

(۴) قریب کے درجہ والوں کے مقابلے میں بعید کے درجہ والے محروم ہوں گے ۔ گو قریب کے درجے میں عورت ہی ہو، نیز ان میں قوی قرابت والا ضعیف قرابت والے کو محروم کر دے گا۔

(۵) جب ذوی الارحام ایک درجہ میں ہوں تو جس کی قرابت زیادہ قوی ہوگی وہ میراث پائے گا۔ باقی محروم ہوں گے، (اقوی مذکر ہو یا مونث)۔

(۶) اگر کسی ذی رحم کا دو طرف سے رشتہ ہو تو اس کو دو طرف سے حصہ ملے گا، سوائے دادی کے۔ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک ہی طرف سے ورثہ لے سکتی ہے۔

(۷) اگر ایک درجہ میں ذوی الفروض و عصبات و ذوی الارحام کی اولادیں جمع ہو جائیں تو میراث عصبات کی اولاد کو ملے گی۔ ان کی عدم موجودگی میں ذوی الفروض کی اولاد کو اور پھر ذوی الارحام کی اولاد کو۔

(۸) اگر اصول متفق ہوں تو ذوی الارحام میں تقسیم بطریق ابدان ہوگی، اگر اصول مختلف ہوں گے تو میراث بطریق اصول ملے گی۔ مگر ذوی الارحام درجہ دوم و چہارم میں اگر حق دار باپ اور ماں کی طرف کے ہوں مگر ایک

marfat.com

درجہ میں ہوں تو پہلے باپ کی طرف والوں کو دو تہائی اور ماں کی طرف والوں کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ اگر باپ یا ماں ایک ہی طرف کے ہوں تو کل ترکہ ایک ہی طرف تقسیم ہو گا۔(۱۹۴)

عرب ممالک رائج الوقت قانون

مصر میں از روئے قانون المواریث مجریہ، ۱۹۴۳ ذوی الفروض نسبی اور عصبات نسبی کی غیر موجودگی میں ذوی الارحام کو مستحق میراث قرار دیا گیا ہے۔(۱۹۵) ملک شام میں بھی اسی طرز پر قانون سازی کی گئی ہے۔(۱۹۶) عراق کا قانون میراث کل ۶ دفعات پر مشتمل ہے اس میں ذوی الارحام کو مستحقین ترکہ میں شامل نہیں کیا گیا۔(۱۹۷) تیونس کے قانون میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔(۱۹۸) متعلقہ قوانین کی دفعات حسب ذیل ہیں:

مصری قانون

دفعہ ۳۱۔ جب کہ میت کا نہ کوئی عصبہ ہو اور نہ ذوی الفروض نسبی میں سے کوئی موجود ہو تو ترکہ یا بقیہ ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہو گا۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ بعض، بعض پر وراثت میں حسب ترتیب ذیل مقدم ہوں گی:

قسم اول۔ میت کی لڑکیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔ اسی طرح پوتیوں کی اولاد کے نیچے تک کا سلسلہ۔

دوسری قسم۔ اوپر تک کا جد غیر صحیح اور جدہ غیر صحیحہ۔

تیسری قسم۔ مادری بھائیوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری

---

(۱۹۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹۸-۹۷
(۱۹۵) قانون المواریث مصر، مجریہ، ۱۹۴۳ء دفعہ ۳۱
(۱۹۶) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعات ۹۷-۲۸۹
(۱۹۷) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ء
(۱۹۸) مجلۃ الاحوال الشخصیۃ، تیونس، ۱۹۵۶ء

marfat.com

یا مادری بہنوں کی اولاد در اولاد، اور حقیقی یا پدری بھائیوں کے بیٹوں کی لڑکیاں اور ان کی اولاد در اولاد۔

چوتھی قسم۔ مذکورہ چھ فریق وراثت میں بعض، بعض سے حسب ترتیب ذیل شامل ہوں گے:-

(اول) میت کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں، اور حقیقی یا پدری یا مادری خالائیں،

(دوم) مذکورہ افراد کی اولاد در اولاد، اور میت کے حقیقی یا پدری چچاؤں کی لڑکیاں اور ان کے لڑکوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان لڑکیوں کی اولاد در اولاد،

(سوم) میت کے باپ کے مادری چچے، اور پھوپھیاں اور ماموں اور ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی ماں کے چچے، پھوپیاں، ماموں اور ہر قسم کی خالائیں،

(چہارم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے باپ کے حقیقی یا پدری چچوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹوں کے بیٹیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد،

(پنجم) میت کے دادا کے مادری چچے، اور میت کی ماں کے باپ کے چچے، اور ان دونوں کی پھوپیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں، اور میت کی نانی کے چچے، اور میت کے باپ کی ماں کے چچے اور پھوپیاں، ماموں، ہر قسم کی خالائیں۔ اور

(ششم) مذکورہ صدر لوگوں کی اولاد در اولاد، اور میت کے دادا کے کے حقیقی یا پدری چچوں کی لڑکیاں، اور ان کے بیٹوں کی لڑکیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد در اولاد۔

marfat.com

دفعہ ۳۲۔ قسم اول کے ذوی الارحام درجہ مین قریب ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے میراث کے زیادہ مستحق ہوں گے، اگرچہ درجہ قرابت مین متحد ہوں تو صاحب فرض وارث کی اولاد، ذی رحم وارث کی اولاد سے افضل ہوگی، اور اگر سب درجہ مین برابر ہوں اور صاحب فرض کی اولاد مین سے کوئی موجود نہ ہو، یا سب صاحب فرض سے منسوب ہوں تو وراثت مین تمام مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۳۳۔ دوسری قسم کے ذوی الارحام مین وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ مین زیادہ قریب ہوگا، اگر درجہ مین تمام مساوی ہوئے تو جو صاحب فرض سے منسوب ہوگا، وہ اولی ہوگا، اور اگر درجہ مین تمام مساوی ہوئے اور ان مین کوئی صاحب فرض سے منسوب نہ ہوا، یا تمام صاحب فرض سے منسوب ہوئے۔ پس اگر وہ محل قرابت مین متحد ہین تو وراثت مین مشترک ہوں گے، اور اگر محل قرابت مین مختلف ہین تو پدری قرابت داروں کی دو تہائی اور مادری قرابت داروں کو ایک تہائی تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۳۴۔ تیسری قسم کے ذوی الارحام مین وراثت مین وہ اولی ہوگا جو میت سے درجہ مین قریب تر ہوگا، اگر تمام درجہ مین برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد اولی ہوگی، بمقابلہ ذی رحم کی اولاد کے، اور ان مین مقدم وہ ہوگا جو قرابت مین میت سے قوی تر ہوگا۔ چنانچہ جس کی اصل حقیقی رشتہ رکھتی ہوگی وہ پدری رشتہ کی اصل سے اولیٰ ہوگا، اور جس کی اصل پدری رشتہ رکھتی ہوگی وہ مادری الاصل سے اولی ہوگا، اب اگر درجہ و قوت قرابت مین بھی متحد ہوں تو وراثت مین تمام مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۳۵۔ چوتھی قسم کے ذوی الارحام کا فریق اول جو دفعہ ۳۱ مین بیان کیا گیا جب کہ پدری قرابت تنہا ہو اور یہ میت کے مادری چچے، پھوپیاں ہین، یا مادری فریق جو کہ ماموں اور خالائین ہین موجود ہوں تو ان مین جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، لہذا حقیقی پدری سے اور پدری مادری سے مقدم ہوگا، اگر تمام قرابت مین مساوی ہوئے تو میراث مین مشترک ہوں گے۔ جب کہ دونوں فریق مجتمع ہوں دو تہائی پدری قرابت داروں کو

marfat.com

ایک تہائی مادری قرابت داروں میں تقسیم ہوگا، اور ہر فریق پر بطریقہ مذکورہ بالا تقسیم کی جائے گی۔ اور دونوں سابقہ فقروں کے احکام تیسرے اور پانچویں پر جاری ہوں گے۔

دفعہ ۳۶۔ دوسرے فریق سے وہ افراد مقدم ہوں گے جو درجہ میں میت سے قریب ہوں خواہ وہ بعید سے قرابت کے محل میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اگر درجہ اور قرابت کے محل میں متحد ہوئے تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا جب کہ وہ عصبہ کی اولاد سے ہو یا ذوی الارحام کی اولاد سے ہو، اگر مختلف ہوئے تو عصبہ کی اولاد، ذوی الارحام کی اولاد پر مقدم ہوگی،

اور جب قرابت کے محل میں اختلاف ہو تو پدری سلسلہ دو تہائی کا اور مادری سلسلہ ایک تہائی کا مستحق ہوگا۔ اب جو ترکہ جس فریق کےحصہ میں پہونچے گا وہ مذکورہ بالا طریق پر ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۳۷۔ ذوی الارحام ورثاء میں قرابت کی جہتوں کے تعدد کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ الا یہ کہ محل قرابت مختلف ہو۔

دفعہ ۳۸۔ ذوی الارحام کی تقسیم وراثت ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے اصول پر ہوگی۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۸۹۔ (۱) جب کہ کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات نسبی سے نہ پایا جائے، تو اب میراث کا استحقاق ذوی الارحام کو ہوگا۔

(۲) صاحبان فروض اور عصبات نسبیہ کے ماسوا جو لوگ ہوں وہ ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

دفعہ ۲۹۰۔ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض دوسری بعض پر وراثت میں مقدم ہوتی ہیں جن کی ترتیب حسب ذیل ہے :

marfat.com

قسم اول۔ میت کی بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد نیچے تک کا سلسلہ،

قسم دوم۔ میت کے رحمی دادا (نانا) اور غیر ثابتہ دادیاں،

قسم سوم۔ میت کے والدین کی اولاد یعنی میت کی ھمشیرگان، خواہ کوئی بھی ہوں، کی اولاد اور مادری بھائیوں کی اولاد، اور حقیقی بھائیوں کی بیٹیاں یا پدری بھائی کی بیٹیاں اور ان کی اولاد در اولاد، اور

قسم چہارم۔ جو لوگ میت کے اجداد یا جدات کی اولاد ہوں ان کے نیچے تک کا سلسلہ۔

یہ چوتھی قسم کے لوگ کبھی تو ان کے درجات اعلی ہونے کے اعتبار سے منقسم و مرتب ہوتے ھیں اور کبھی نیچے کے سلسلے کے اعتبار سے۔

(الف) چوتھی قسم کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ خواہ یہ سلسلہ کتنے ہی نیچے تک جاتا ہو۔

(پہلا مرتبہ) میت کے قریب جد کی اولاد (یعنی باپ کے باپ کی اولاد اور ماں کے باپ کی و باپ کی ماں کی اولاد، اور ماں کی ماں کی اولاد۔)

(دوسرا مرتبہ) میت دادوں کے دادے، اور اسی طرح،

(تیسرا مرتبہ) نمبر ۲ کی اولاد کا سلسلہ

اس تیسرے درجہ کی فروع کا ہر درجہ ایک ہی مرتبہ میں ہوگا مثلاً مادری چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں، خالاؤں کی اولاد، یہ مرتبہ اول کا اول مرتبہ ہے، ۔ اور حقیقی چچاؤں کی بیٹیاں یا پدری کی بیٹیاں ان کا دوسرا مرتبہ ہے، علی ھذا القیاس۔

دفعہ ۲۹۱۔ (۱) ذوی الا رحام کی پہلی قسم میں جو میت سے درجہ میں قریب تر ہوگا وہ میراث میں اولی ہوگا۔

marfat.com

(۲) اگر یہ سب درجے میں برابر ہوں تو صاحب فرض وارث کی اولاد ذی رحم وارث کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام سلسلہ صاحب فرض سے منسوب ہوتا ہے یا بالکل منسوب نہیں ہوتا، تو سب وراثت میں مشترک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۲۔ (۱) ذوی الارحام کی دوسری قسم میں سے بھی جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ میراث پانے میں اولی ہوگا۔

(۲) اگر یہ سب درجہ میں مساوی ہوں اور منسوب نہ ہوں غور کرنا ہوگا:

(الف) اگر تمام باپ یا ماں کی جانب منسوب نہیں میراث میں مشترک ہوں گے۔

(ب) اگر نسبت میں مختلف ہیں تو باپ کی جانب نسبت والے دوتہائی ترکے کے اور ماں کی جانب والے ایک تہائی ترکے کے مستحق ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۳۔ (۱) ذوی الارحام کی تیسری قسم کی بھی یہی صورت ہے کہ جو میت سے زیادہ قربت رکھتا ہوگا وراثت پانے میں مقدم ہوگا۔

(۲) اگر تمام درجہ میں مساوی ہوں تو ذی عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد سے مقدم ہوگی۔

(۳) اگر تمام عصبات کی اولاد ہیں۔ یا ذوی الارحام کی تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا چنانچہ حقیقی اس سے مقدم ہوگا جو محض پدری ہو یا مادری ہو اور حقیقی پدری، مادری کا حاجب ہوگا۔

(۴) اگر تمام قوت میں مساوی ہوں تو اب میراث میں تمام شریک ہوں گے۔

دفعہ ۲۹۴۔(۱) چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر

marfat.com

مرتبہ اپنے تمام طبقات کے ساتھ اپنے قوت قرابت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر مقدم ہونے کا حق رکھے گا۔

(۲) ہر اعلی قوی طبقہ ادنی درجہ کا حاجب ہوگا۔

دفعہ ۲۹۵ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے مراتب میں سے ہر درجہ میں جب کہ متعدد لوگ موجود ہوں اور تمام باپ کی جانب سے ہوں، جیسے کہ پھوپیاں، یا تمام ماں کی جانب سے ہوں، جیسا کہ ماموں تو قرابت میں قوی کو مقدم کیا جائے گا۔ چنانچہ حقیقی پھوپی یا پدری پھوپی، مادری چچا کی حاجب ہوگی، اسی طرح حقیقی خالہ، پدری ماموں کی حاجب ہوگی۔

اگر یہ سب قرابت کی قوت میں مساوی ہوں وراثت میں تمام مشترک ہوں گے۔

(۲) جب کہ بعض باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں، تو باپ کی جانب کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے جانب کے فریق کو ایک تہائی ترکہ ملے گا۔ اس کے بعد ہر فریق کا مال مذکورہ سابقہ فقرے کے مطابق قوت قرابت کے اعتبار سے ان میں تقسیم ہوگا۔

دفعہ ۲۹۶ - چوتھی قسم کے ذوی الارحام کے نچلے طبقات سے جو درجہ میں زیادہ قریب ہوگا وہ بعید سے مقدم ہوگا، اگرچہ ان میں کوئی باپ کی جانب سے ہو اور کوئی ماں کی جانب سے۔

(۲) جب کہ تمام درجہ میں برابر ہوں اور ایک جانب سے ہی ہوں، تو عصبہ کی اولاد، ذی‌رحم کی اولاد پر مقدم ہوگی، چنانچہ عصبی چچا کی بیٹی مادری چچا کے بیٹے کی حاجب ہوگی۔

اور جس صورت میں کہ یہ تمام عصبات کی اولاد ہوں، یا ذوی الارحام کی اولاد ہوں تو جو قرابت میں قوی ہوگا وہ مقدم ہوگا، چنانچہ حقیقی پھوپی کا بیٹا مادری پھوپی کے بیٹے کا حاجب ہوگا۔

marfat.com

(۳) درجہ کی مساوات کی حالت میں جب بعض افراد پدری ہوں اور بعض مادری تو دو تہائی پدری سلسلہ کو اور ایک تہائی مادری سلسلہ کو دیا جائے گا۔ اور ہر فریق کے حصہ کو ان کے مابین سابقہ فقرے کے پیش نظر تقسیم میں عصبہ کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اس کے بعد قرابت کی قوت ملحوظ ہوگی۔

دفعہ ۲۹۷ - (۱) ذوی الارحام کی میراث میں مطلقاً ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کا طریقہ جاری رہے گا۔

(۲) جس صورت میں ان میں سے کوئی ایک ہی موجود ہو تو کل میراث کا مستحق ہوگا۔

(۳) ان میں قرابت کی جہتوں کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، الا یہ کہ ان کی جانب مختلف ہو کہ ایک شخص پدری ہو اور دوسرا پدری و مادری دونوں ہو۔

پاکستان میں :

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتیں حنفیہ و شیعہ مسلکوں کے بموجب ذوی الا رحام کی میراث کے حق میں فیصلے دیتی رہی ہیں، جب کہ کوئی ذی فرض یا عصبہ موجود نہ ہو۔

۷- مولی الموالات

مولی الموالات

۲۸۷ - سابق میں مذکور ورثاء — ذوی‌الفروض یا عصبات یا ذوی‌الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہونے کی صورت میں ترکہ کا مستحق وہ مولی الموالات قرار پاتا ہے، جس کے ساتھ ترکہ لینے کے واسطے بطریق جائز آپس میں معاہدہ موالات کر لیا گیا۔

تشریح

مولی الموالات وہ شخص ہے جس سے کسی مجہول النسب شخص نے خواہ مرد ہو یا عورت، یہ معاہدہ کیا ہو کہ تم میرے مولی ہو اور اگر میں تمہاری حیات میں مرجاؤں تو تم ہی میرے ترکہ کے مستحق ہوگے اور اگر

marfat.com

مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو جس سے تاوان لازم آئے تو تم ہی میرا تاوان ادا کروگے۔ تو ایسا دوسرا شخص اس مجہول النسب کا مولی الموالات کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس مجہول النسب کی وفات پر اس کا ترکہ مولی الموالات کو ملتا ہے اگر ہر دو اشخاص مجہول النسب ہوں اور باہم اس طریقہ پر معاہدہ کریں تو وہ ایک دوسرے کے مولی الموالات ہوں گے اور یہ معاہدہ ''عقد موالات،، کہلائے گا۔ (۱۹۹)۔

البتہ اگر شخص مجہول النسب کے زوجین میں سے کسی ایک کے موجود ہونے کی صورت میں اس شوہر یا زوجہ کو دے کر جو کچھ باقی رہے وہ مولی الموالات کو ملتا ہے۔(۲۰۰) یہ صورت حنفیوں کے نزدیک ہے۔ شافعیہ کے نزدیک مولی الموالات کے لئے کوئی میراث نہیں۔(۲۰۱) دیگر مذاہب فقہ میں بھی ''مولی الموالات،، کی میراث ثابت نہیں۔ حنفی علماء ''مولی الموالات،، کی میراث کےسلسلے میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت (صلعم) سے عرض کیا ''اگر ایک شخص میرے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور مجھ سے موالات کرلے تو،، آپ نے فرمایا،، وہ تیرا بھائی ہے اور تیرا مولی ہوگا۔ موت و زندگی میں تو اس کا حق دار ہوگا۔ (۲۰۲)

شیعہ مسلک:

شیعہ علماء کے نزدیک مولی الموالات کو ''موالات ضمان بالجریرہ،، کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک ذوی الارحام کے بعد مولی عتق اور اس کے بعد مولی ضمان بالجریرہ وارث ہوگا۔ ان کے نہ ہونے کی صورت میں وراثت امام کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ (۲۰۳)

---

(۱۹۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی؟ محولہ بالا، ص ۹

(۲۰۰) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۹

(۲۰۱) کتاب الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۸ے

(۲۰۲) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص۴ ۴ :
''وفی حدیث تمیم الداری انہ سال رسول اللہ صلعم فقال ان الرجل لیا تینی فیسلم علی یدی ویوالینی فقال علیہ السلام ہواخوک فانت احق بہ محیاہ و مماتہ،،۔

(۲۰۳) الاستبصار، ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵ے ع، ج ۴، الجزء الثالث القسم الثالث ص ۱۹۹

دور حاضر میں مولی الموالات کی میراث کی صورت ناپید ہے نیز موجودہ زمانہ میں فتوے کے بموجب شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں مولی الموالات کو کچھ ترکہ نہ ملے گا کیونکہ شوہر یا زوجہ (جیسی صورت ہو) کو ان کا مقررہ حصہ دے کر بقایا ان پر رد کیا جائے گا۔

مقرلہ با نسب علی الغیر

۲۸۸ - جب کہ متوفی نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا ہو تو مقرلہ ترکہ کا مستحق ہوگا، بشرطیکہ کہ وہ مقرلہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو اور مقر نے اپنے اقرار سے تا دم زیست رجوع نہ کیا ہو اور کوئی امر مانع میراث موجود نہ ہو۔

تشریح

مقرلہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ اولاً مقرلہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مقر کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی پہلے مقر لہ کا نسب مقر کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس مقر سے۔ فقہی اصطلاح میں مقر لہ بالنسب علی الغیر وہ شخص کہلاتا ہے جس شخص کے حق میں میت نے اپنے نسب کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ اس اقرار سے اولاً غیر سے (مقر کے کسی رشتہ دار سے) نسب منسوب ہوتا ہو اور پھر اس رشتہ دار کے ذریعہ مقرلہ کا نسب اس شخص مقر کے ساتھ منسوب ہو اور مقر تادم زیست اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقرلہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں کے ساتھ قائم نہیں ہوتا، مقرلہ محض مقر کے اپنے ترکہ کا حق دار ہوگا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) یہ کہ اقرار کرنے والا ''بلا واسطہ اولاً''، اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے اور بعدہ اس کے واسطے سے مقرلہ، مقر کے دوسرے اقرباء کی طرف منسوب ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں اولاً بلا واسطہ مقرلہ کا نسب مقر سے ثابت ہوگا

marfat.com

اور بعدہ مقر کے باپ سے ثابت ہوگا۔ چنانچہ مقر اولاً باپ قرار پائے گا، اور بعدہ مقر کا باپ دادا ہوگا۔

(۲) یہ کہ مقر اس طرح نسب کا اقرار کرے کہ اولاً مقرلہ کا نسب غیر سے ثابت ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقر سے ثابت ہو، مثلاً کسی شخص کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ مقر کا بھائی یا بہن یا چچا ہے: اس صورت میں اولاً نسب باپ یا دادا سے منسوب ہوگا اور ان کے واسطے سے مقر کے اقرار سے ثابت ہوکر مقر کا بھائی یا بہن یا چچا قرار پائے گا۔

مندرجہ بالا دو قسموں میں سے اول قسم کا مقرلہ وارث ہوتا ہے جب کہ دوسری قسم کے مقرلہ کے لیے احکام مختلف ہیں۔ اس موقع پر دوسری قسم کا مقرلہ مراد ہے۔

مقر لہ بالنسب علی الغیر کی حسب ذیل شرائط ہیں :-

(۱) میت نے نسب کا جو اقرار کیا ہو وہ شرعاً معتبر ہو مثلاً میت نے اگر ایک معروف النسب یا ایسے مجہول النسب کو جو باعتبار عمر اس کے باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اپنا بھائی کہا تو ایسے مقرلہ کو ترکہ کا کوئی حصہ نہ ملے گا۔

(۲) جس نسب کا میت نے اقرار کیا ہو وہ نسب غیر پر محض اس کے اپنے اقرار سے اثر انداز ہوتا ہو۔ اس نسب کے متعلق اس غیر کا اقرار یا شہادت یا فراش ہونا موجود نہ ہو۔

(۳) مقر مرتے دم تک اس اقرار پر قائم ہو اور اس نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کیا ہو۔ مقرلہ کا مجہول النسب ہونا ضروری ہے چونکہ اسلام میں تبنیت ناجائز ہے، اس لئے معروف النسب کے متعلق اقرار اصلاً صحیح نہ ہوگا۔(۲۰۳)

---

(۲۰۳) التبنی فی الشرع الاسلامی، صبحی محمصانی، الشرۃ القضائیہ لبنان، ۱۹۳۵ع، ص ۶
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۰
رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ۱۲۹۳ھ، ج ۵، ص ۵۳۰
احکام الترکات و المواریث، (فقہ عام)، ابوزہرہ، محولہ بالا، ص ۹۸

marfat.com

کیونکہ اقرار باستحقاق مال وارث کے خلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مقرلہ بالنسب علی الغیر ما سبق مذکورہ ورثاء کی عدم موجودگی میں وارث ہوتا ہے۔ (۲۰۵) لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاهب میں مقرلہ بالنسب علی الغیر کسی صورت میں وارث نہیں ہوسکتا۔(۲۰۶)

ظاهریہ حضرات کے نزدیک بھی مقرلہ بالنسب علی الغیر کا وراثت میں کوئی درجہ نہیں معلوم ہوتا۔(۲۰۷)۔

مقرلہ بالنسب علی الغیر نسباً وارث ہوئے بغیر میراث کا مستحق ہوتا ہے، جیسا کہ مستحقین میراث کی ترتیب میں شامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد اقرار پر ہے۔(۲۰۸)

مقرلہ بالنسب ''علی الغیر،، کا ''بحیثیت وارث،، ترکہ میں استحقاق قائم نہیں ہوتا بلکہ بحیثیت مقرلہ ہوتا ہے جس کا اعتبار صرف مالی استحقاق میں کیا گیا ہے۔ لیکن مقرلہ بالنسب (علاوہ غیر کے) صفت ارث کے سبب وارث ہوگا۔ چنانچہ ''کسی شخص کا کسی دوسرے کے متعلق یہ اقرار کرنا کہ وہ میرا بھائی یا بہن ہے دو امر کے ثبوت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، اولاً مقر کے باپ سے نسب کا ثبوت، دوم مال کا استحقاق۔ چنانچہ غیر کے ذمہ

---

(۲۰۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۱۷
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۰

(۲۰۶) المیزان الکبری، عبدالوهاب شعرانی (م ۱۰۰۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۰ع، ص ۱۰۵

(۲۰۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۸۰

(۲۰۸) الترکہ و المیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، صص ۲۶۱-۲۶۲:
''المادة ۳۔ اولاً والمقرله بالنسب غیر وارث، لان الارث یعتمد ثبوت النسب و هو غیر ثابت بالاقرار وحدة،،۔

مصری قانون کی اس دفعہ میں مقولہ بالنسب اور مقرلہ بالنسب علی الغیر دونوں شامل معلوم ہوتے ہیں حالانکہ مقرلہ بالنسب وارث ہوتا ہے کیونکہ اس کا نسب وارث سے ثابت شدہ ہے، خواہ وہ خود اس کے اقرار ہی کی بناہ پر کیوں نہ ہو۔ البتہ غیر سے نسب کا اقرار ثبوت نسب کے لیے کافی نہیں ، کسی حد تک نسب کا شبہ ضرور پیدا ہو سکتا ہے جس کی بناہ پر حنفیہ مستحق نسبی ورثا کی عدم موجودگی میں شبہ نسب والے شخص کو باعتبار وارث میراث دینے کے قائل ہیں۔

marfat.com

نسب کا اقرار نامقبول ہو گا، کیونکہ وہ یاتو دعوی متصور ہو گا، یا شہادت (اور یہ دونوں غیر صحیح ہیں) البتہ مالی استحقاق کا اقرار، چونکہ اپنی ذات سے متعلق ہے اس لیے قابل قبول ہوگا اور اسی بناء پر غیر کےحق میں نسب کے اقرار کا اثر خود مقر کی ذات تک محدود رکھا گیا ہے اور اس کا اعتبار صرف اس کے اپنے ورثہ کے معاملہ میں معتبر قرار دیا گیا ہے البتہ اپنے ہی واسطہ سے نسب کا اقرار کرنا یعنی مقرلہ کے حق میں اپنا بیٹا یا بیٹی ہونے کا اقرار کرنا صفت ارث کا حاصل ہوگا اور وہ صفت ارث کے سبب وارث ہوگا جیسا کہ عام ورثاء ہوتے ہیں۔

نسب کی شہادت :

خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفرائض میں لکھا ہے کہ اگر دو عادل گواہ یہ شہادت دیں کہ فلاں شخص فلاں کا وارث ہے اور اس فلاں شخص کے کسی وارث کا علم نہ ہو اور نہ ذکر کیا جاتا ہو، تو اس کو اس شخص متوفی سے منسوب کیا جائے گا اور وہ اس کا وارث ہوگا۔(۲۰۹)

مصری قانون :

قانون المواریث المصری کے تحت مقرلہ بالنسب علی الغیر بلاصفت ارث ترکہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ متعلقہ دفعہ حسب ذیل ہے :-

دفعہ ۴۱۔ جب کہ میت نے کسی شخص کے لئے نسب کا اقرار کیا تو مقرلہ اس حالت میں ترکہ کا مستحق ہوگا جب کہ وہ مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے سے ثابت النسب نہ ہو، اور مقر نے اپنے اقرار سے رجوع بھی نہ کیا ہو، اور اس حالت میں یہ شرط ہوگی کہ مقرلہ مقر کی وفات کے وقت زندہ موجود ہو خواہ موت حقیقی ہو یا حکمی، اور یہ کہ میراث کے موانع میں سے کوئی امر مانع موجود نہ ہو۔

---

(۲۰۹) خلاصۃ الفتاوی، مطبع فاروقی دھلی، ۱۳۱۸ھ، ج ۴، ص ۳۱۱

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۸ - جب کسی شخص نے کسی مجہول النسب شخص کے حق میں اپنے کسی رشتہ کا اقرار کیا ہو تو مقرلہ حسب ذیل شرطوں کے ساتھ ترکہ کا مستحق ہو سکے گا۔

(۱) یہ کہ مقرلہ کا نسب مقر علیہ سے ثابت نہ ہو،
(۲) یہ کہ اقرار کنندہ نے اپنے اقرار سے رجوع نہ کرلیا ہو، اور
(۳) یہ کہ وراثت کے موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو۔

مقر لہ کو مقر کی موت کے وقت زندہ ہونا چاہئے، یا جس وقت حاکم نے مقر کی موت کا حکم دیا ہے اس وقت مقرلہ، زندہ موجود ہو۔

موصی لہ بجمیع المال

۲۸۹ - مورث کا کوئی وارث یا مقرلہ بالنسب علی الغیر موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت موصی لہ بجمیع المال کے حق میں نافذ العمل ہو گی۔

تشریح

موصی لہ بجمیع المال وہ شخص ہے جس کو میت نے کل ترکہ دینے کی وصیت کی ہو۔ چنانچہ جب مذکورہ سابق اشخاص میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ترکہ کا مستحق وہ شخص ہوگا جس کے حق میں میت نے کل مال کی وصیت کی ہو ۔ بذریعہ وصیت ایک تہائی سے زائد نہ دینے کی پابندی ورثاء کی موجودگی کے سبب تھی کیونکہ اس طرح کی پابندی نہ لگانے سے ان ورثاء کی حق تلفی ہوتی تھی۔ اب چونکہ حق تلفی کا کوئی امکان موجود نہیں اس لئے سب ترکہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا۔(۲۱۰) حنفیہ کا یہی مسلک ہے ۔

شافعیہ مسلک :

علماء شافعیہ کے نزدیک موصی لہ کو ایک تہائی سے زائد ترکہ نہ دیا جائے گا، اور کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں بقیہ ترکہ بیت المال کے

(۲۱۰) الشریفیہ ، شرح سراجیہ ، سید شریف جرجانی ، محولہ بالا ، ص ۱۱

marfat.com

حوالے کیا جائے گا۔(۲۱۱)

مالکیہ اور حنبلیہ مسلک:

یہی مسلک مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے۔ (۲۱۲)

عرب ممالک میں قانون:

مصری قانون کے تحت ذوی الفروض، عصبات یا ذوی الارحام یا مقرلہ بالنسب علی الغیر نہ ہونے کی صورت میں موصی لہ بجمیع المال کو ترکہ دیا جائے گا۔(۲۱۳)

موصی لہ بجمیع المال کو چونکہ وارث کی حیثیت سے ترکہ نہیں دیا جارہا اس لیے اتحاد دین کی شرط لازم نہ ہوگی بلکہ وصیت کے عام احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔(۲۱۴)

بیت المال

۲۹۰۔ جس میت کے ترکہ کا دفعات سابقہ میں مذکور کوئی مستحق موجود نہ ہو، اسکا ترکہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی ملکیت ہوگا۔

تشریح

حکومت کے خزانہ عامرہ کو بیت المال کہا جاتا ہے۔ خلفاء راشدین و مابعد کے چند خلفاء کے عہد میں بیت المال میں جمع شدہ مال کی چار مدات مقرر کی گئی تھیں، اور ہر مد کا مصرف علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا تھا، نیز ان مدات پر صرف کرنے کا یہ اصول مقرر کیا گیا تھا کہ اگر بیت المال کی

---

(۲۱۱) المہذب (فقہ شافعی)، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۵۷ (کتاب الوصایا)
"واما اذا زاد اوصی بما زاد علی الثلث فان لم یکن لہ وارث بطلت الوصیۃ فیما زاد علی الثلث لان مالہ میراث للمسلمین ولا مجیز لہ"

(۲۱۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۱۸

(۲۱۳) قانون المواریث مصر، مجریہ ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴
"(ثانیاً) ما اوصی بہ فیما زاد علی الحد الذی تنفذ فیہ الوصیۃ"۔

(۲۱۴) مجموعہ قوانین اسلام، جلد چہارم ڈاکٹر تنزیل الرحمن، (مؤلف کتاب ہذا) مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۳ء باب ۳۱ احکام وصیت۔

marfat.com

کسی مد میں رقم موجود نہ ہو تو دوسری مد سے لیا جاسکتا ہے ، لیکن بعض مدات سے بطور قرض لیا جائے گا اور آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کیا جائے گا، اور بعض مدات سے بغیر قرض کی صورت کے بھی لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بہتر یہ ہوگا کہ جس مد کے لئے لیا گیا ہو اگر اس میں کافی آمدنی ہو جائے تو لی ہوئی مد کی وہ رقم اس کے حساب میں داخل کردی جائے گی، بصورت دیگر داخل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

چنانچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں حسب ذیل چار مدات مقرر تھیں :

(۱) اول زکواۃ و صدقات ہر قسم، و عشر ، اور مسلمان تاجروں سے چنگی کی آمدنی۔

(۲) غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس)، کانوں سے حاصل شدہ دولت اور زمین کا دفینہ۔

(۳) خراج، جزیہ، مال صلح، کفار پر جرمانے، اور غیر مسلم تاجر سے ٹیکس کی آمدنی خواہ وہ مملکت کے شہری ہوں یا دارالکفر سے بغرض تجارت اجازت لے کر دارالاسلام میں آئے ہوں۔

(۴) راستے وغیرہ میں گرے پڑے اموال اور لاوارث میت کے ترکے۔
اول کا مصرف حسب ذیل امور ہیں :۔

(۱) فقراء و مساکین اور جو لوگ حکومت کی طرف سے ان کی وصولی پر مقرر ہوں، (عامل)،

(۲) غلام کی آزادی میں اس کی امداد (جو موجودہ زمانے میں مفقود ہے)،

(۳) مدیون (مقروض) دین (قرضہ) کی ادائی جب کہ وہ ادا کرنے سے معذور و مجبور ہو، اور

(۴) وہ حاجی جس کا مال کسی حادثہ سے حج کے سفر میں ضائع ہوگیا ہو۔

marfat.com

یہ امام محمد کا مسلک ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک وہ مجاہد بھی جو اپنے اور اپنی عیال کے اخراجات کی کفالت سے معذور ہو۔ امام ابو یوسف کا کا قول مفتی بہ ہے۔

(۵) وہ مسافر جس کا مال سفر کی حالت میں ضائع ہوگیا ہو اور آئندہ جاری رکھنے کے لئے اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو۔

اس مد میں سے اہل ذمہ (مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری) کو دینا جائز نہیں۔ اسی طرح دارالکفر کے کسی غیر مسلم کو بھی دینا جائز نہیں۔ البتہ نفلی صدقہ سے حسب ضرورت دیا جا سکتا ہے۔

دوسری مد کا مصرف ، یتامیٰ و مساکین (بیوائیں وغیرہ) اور مذکورہ بالامسافرین ہیں۔

تیسری مد کا مصرف، حسب ذیل امور ہیں :۔

(۱) جنگی سپاہ،

(۲) سرحد بندی،

(۳) قلعہ بندی،

(۴) فوجی چوکیاں قائم کرنا (یاراستوں کی حفاظتی چوکیاں قائم کرنا) ، تاکہ ڈاکہ زنی وغیرہ سے حفاظت ہو سکے۔

(۵) چھوٹے بڑے پل بنانا،

(۶) نہروں کی کھدائی،

(۷) مسافر خانے اور مساجد کی تعمیر،

(۸) نہروں پر بند باندھنا، جہاں بند کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو ان مقامات کی اصلاح، حکام اور ان کے عملے کی تنخواہیں۔

(۹) مفتی، قاضی (حاکم، جج، مجسٹریٹ وغیرہ) اور عدالتی عملہ کے مشاہرے،

marfat.com

(۱۰) پولیس کے محکمے کی تنخواہیں،

(۱۱) مدارس (اسکول) کے اساتذہ کے مشاہرے اور طلبہ کے وظائف

(۱۲) وہ تمام لوگ جن کو امور مسلمین کی اصلاح اور محافظت کے لیے حکومت کی طرف سے نگران مقرر کیا گیا ہو۔

چوتھی مد نادار مریضوں کی تیمارداری ادویات (شفاخانے کی تعمیر)، لاوارث میت کی تجہیز و تکفین، راستے سے اٹھائے ہوئے بچوں کی پرورش، اپاھجوں اور ایسے محتاجوں پر صرف کرنا جو کسب سے عاجز ہو چکے ہوں اور ان پر صرف کرنے والا کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر ان کا نفقہ شرعاً واجب ہوتا۔

ھمارے خیال میں وہ آمدنی جو مسلمانوں سے جرمانے یا ٹیکس لگانے یا اسی قسم کے دوسرے امور سے ہوتی ہے وہ اپنی مشابہ مد میں داخل ہوگی۔ نیز موجودہ زمانے میں جو آمدنی مذکورہ بالا آمدنیوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو وہ اسی مشابہ مد میں داخل ہونا چاھئے اور اس کا مصرف بھی وھی ہونا چاھئے۔ (۲۱۵)

امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''حاکم اعلیٰ پر فرض ہے کہ وہ بیت المال (خزانہ عامرہ) کی دولت کو صرف کرنے میں خدا کا خوف اپنے قلب میں قائم رکھ کر بیت المال کی ہر مد کی آمدنی کو اس کے مصرف پر صرف کرے۔ کوئی فقیر (محتاج) ایسا نہ ہو کہ اس کو اس کا حق بیت المال سے پورا نہ دیا گیا ہو جو خود اس کو اور اس کے عیال کو کفایت کرے، اگر ایسا موقعہ پیش آ جائے کہ بیت المال میں صدقات کی مد میں کچھ موجود نہ ہو اور ضرورت مند افراد موجود ہوں تو ایسی صورت میں حاکم اعلی کو یہ حق حاصل ہے کہ خراج و جزیہ کی مد سے لے کر ان لوگوں کی حاجت پوری کر دے، اور یہ رقم صدقات کی مد پر قرضہ تصور نہ ہوگی کیوں کہ خراج یا

---

(۲۱۵) فتاوی عالمگیری نظام الدین، مطبوعہ دیوبند، ج ۱، ص۹۸ (کتاب الزکاۃ)
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، صص ۱۸-۱۴

جو آمدنی اس کے ہم معنی ہے مسلمانوں کی ضروریات ھی میں صرف کرنے کے لئے ہے، بخلاف اس صورت کے جب کہ حاکم اعلی کو سپاہ پر (یا اس کے مشابہ مذکورہ بالا امور پر) صرف کرنا ہو اور خراج (و جزیہ وغیرہ) کی مد میں رقم نہ ہو تو وہ صدقہ کی مد سے لے سکتا ہے، لیکن یہ لینا قرض کے طور پر ہوگا، خراج کی مد میں آمدنی ہونے پر قابل واپسی ہوگا۔ (۲۱۶)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ بیت المال میں تمام مذکورہ چار مدات قائم کرے ۔ ہر مد کی آمدنی علیحدہ علیحدہ مقامات (یا بنکوں جو صورت بھی ہو) میں جمع ہو۔ اگر ہر مد کے لیے اس کے مصرف میں کوئی رقم موجود نہ رہے ، تو پھر حاکم اعلی کے لیے یہ جائز ہوگا کہ دوسری مد سے قرض لے کر صرف کردے۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ اگر صدقات کی مد سے لیا گیا ہو اور خراجی مصارف پر صرف کیا گیا ہو تو پھر خراجی مد کی آمدنی ہونے پر اس قرض کو ادا کر دیا جائے ، البتہ جس صورت میں کہ ملک کی ایسی جنگجو سپاہ پر خرچ کیا گیا ہو جو فقراء کے درجہ میں ہیں، چوں کہ یہ صدقہ کا مصرف بھی ہوں گے لہذا اس مقدار کی ادائیگی قرضہ تصور نہ کی جائے گی کیوں کہ وہ اپنے مصرف پر صرف شدہ تصور ہوگا ، قرض متصور نہ ہوگا ۔ اور اگر خراجی مد سے لے کر صدقات کی مد فقراء و مساکین پر صرف کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ مقدار قرض متصور نہ ہوگی کیوں کہ خراجی مد پر فقراء و مساکین کا حق بھی ہے، کیوں کہ خراج کا حکم مال غنیمت اور فئی کا حکم ہے، جس میں فقراء و مساکین کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور حکام پر یہ بھی واجب ہے کہ مستحقین کو ان کے پورے پورے حقوق پہنچائیں کسی کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔ حاکم وقت اور اس کے مقرر کردہ حکام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اور اپنے عیال کی ضرورت سے زیادہ بیت المال سے لیں ۔ یہ بھی جائز نہیں کہ وہ بیت المال سے لے کر ضرورت پوری کرنے کے بعد ما بقی رقم اپنے پاس جمع کرنے کی کوشش کریں (یعنی بنک بیلنس بڑھائیں) باقی تمام اموال بیت المال کے مسلمانوں کا حق ہوں گے۔ اگر حکام اس امر میں

---

(۲۱۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۸

marfat.com

کوتاہی کریں گے تو یہ ان کے لیے سخت مواخذہ کا باعث ہوگا، نیز حکام اور دیگر عملے کے لیے یہ افضل ہے کہ صرف ایک ماہ کی تنخواہ لیا کریں، یہ جائز نہیں کہ دو یا تین ماہ کی تنخواہ پیشگی وصول کر لیں، اہل ذمہ کا بیت المال پر کوئی حق نہیں ہوا کرتا الا یہ کہ ان زندگی کو بھوک و انسانی ضرورت نہ پورا ہونے سے خطرہ لاحق ہو، (تو ایسی صورت میں) حاکم اعلیٰ ضرورت کے مطابق ان کو دے سکتا ہے، کیوں کہ یہ لوگ بھی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ذمہ داری پر اپنی ضروریات زندگی کے فراہمی کا حق رکھتے ہیں - (۲۱۷)

باغراض میراث بیت المال کا یہ حکم ہے کہ مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ترکہ لاوارث خیال کیا جائے گا اور سب مسلمان وارث متصور ہوں گے - اور ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا تاکہ ضرورت مند مسلمانوں کے کام آئے۔

رد المحتار میں لکھا ہے کہ بیت المال میں سپردگی مال غنیمت کے طور ہوگی نہ کہ میراث کے طور پر۔ (۲۱۸)

اسی بنیاد پر حنبلیہ مکتب فکر کے نزدیک بیت المال مستحقین میراث کے زمرہ میں شامل نہیں ہے۔ اگر چہ شافعی علماء کے نزدیک بیت المال بطریق ارث ترکہ کا مستحق ہوتا ہے مگر متاخرین نے اس نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے۔

علماء شافعی کے نزدیک اگر بیت المال منتظم ہے تو بیت المال کا استحقاق ذوی الارحام پر بلکہ رد علی ذوی الفروض پر بھی مقدم ہے اور اگر غیر منتظم ہے اور عصبہ موجود نہیں تو ذوی الفروض نسبی پر رد کیا جائے گا، ذوی الفروض نسبی یا عصبہ موجود نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو دیا جائے گا ورنہ زوجین پر رد کیا جائے گا۔(۲۱۹)

---

(۲۱۷) فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، ج ۱، ص ۹۸

(۲۱۸) رد المحتار، محمد امین ابن عابدین، مطبوعہ ۱۲۹۹ھ، ج ۵، ص ۵۴۱

(۲۱۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱

marfat.com

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ (بیت المال) ہے وہ منتظم ہے یا غیر منتظم۔ بطور مثال پاکستان میں بعض حلقوں کی یہ رائے ہے کہ بیت المال غیر منتظم ہے۔ اگرچہ بیت المال (خزانہ عامرہ) میں آمدنی کی مدات علیحدہ علیحدہ قائم ہیں لیکن ان کے صرف کی نوعیت وہ نہیں جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہونی چاہئے، بلکہ اس میں آزادانہ اور غیر محل پر تصرف کیا جاتا ہے، نیز زکوۃ و جزیہ وغیرہ کی آمدنی سے چونکہ حکومت نے دست برداری اختیار کر رکھی ہے اس لیے یہ مدات خزانے میں سرے سے قائم ہی نہیں ہیں حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے ان مدوں کا قائم ہونا صرف نہ اسلامی حکومت کے فریضے میں شامل ہے بلکہ واجبات کے درجہ میں ہے۔ بیت المال کے غیر منتظم ہونے کی ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حاکم غیر عادل ہے اور مستحقین کو حسب قاعدہ حق نہیں پہونچتا، اس لیے بیت المال غیر منتظم ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جو خزانہ عامرہ ہے اس کو بیت المال منتظم تسلیم کرنا ہوگا۔ جو حضرات اس بیت المال کو منتظم قرار دینے کو تیار نہیں ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زکواۃ اور جزیہ جو فقہ میں منتظم بیت المال کی اولین مدوں میں شامل ہیں، موجودہ بیت المال میں مفقود ہیں۔ جہاں تک زکواۃ کی عدم موجودگی کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر ہی نہیں بلکہ قوم پر بھی ہے۔ چونکہ وہ حکومت کو زکوۃ ادا نہیں کرتے جو ان کا دینی فریضہ ہے۔ اگرچہ زکوۃ کے انتظام کا اسلامی حکومت کے فریضہ میں شامل ہونا واجبات کے درجہ میں ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کا مداوا حکومت سے زیادہ عوام پر ہے۔ باقی رہا جزیہ کا سوال تو اگر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جزیہ دینے پر تیار ہوں تو فبہا، ورنہ ان سے بھی زکوۃ وصول کی جانی چاہئے جیسا کہ حضرت عمر نے شام کے چند عیسائی قبائل کے ساتھ روا رکھا، بلکہ چونکہ غیر مسلم اب مسلم حکومت کی دفاعی خدمات میں شامل ہیں اور مسلمانوں کے دوش بدوش ملک کی حفاظت میں شریک ہیں لہذا وہ اہل ذمہ نہ رہے اور اس لیے ان سے جزیہ کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ موجودہ بیت‌المال کے منتظم قرار دینے

marfat.com

میں کافی وزنی دلائل ہیں - عہد حاضر میں میزانیہ کی تیاری، عوام کی منتخب کردہ اسمبلیوں کے ذریعہ اس کی منظوری، علیحدہ علیحدہ حسابات کی ترتیب اور حکومت کی جواب دہی، پبلک اکاؤنٹس کمیٹیوں کے ذریعہ اس کی تنقیح، ایسے امور ہیں کہ عہد گذشتہ میں ناپید تھے - جہاں تک بیت المال منتظم کی اس شرط کا تعلق ہے کہ حاکم اعلیٰ اس میں آزادانہ بے جا تصرف نہ کرے بلکہ خزانے کے مصارف کی ان شرائط کو مانے جو اسلامی فقہ میں مقرر ہیں ، تو یہ موجودہ دور میں بدرجۂ اتم موجود ہے - جس وقت اہل فقہ نے یہ شرائط مقرر کیں، مسلمانوں کی حکومت کا نظم و نسق باضابطہ کسی مدون و رسمی دستور یا آئین مملکت کے تحت نہ چلایا جاتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ایک مدون اور منظم آئین کے تحت حکومت کا سارا کام سرانجام پاتا ہے۔ آمد و صرف کے مدات معین ہیں اور باقاعدہ میزانیہ مرتب و منظور کیا جاتا ہے رہی یہ بات کہ عملی طور پر خزانہ کے اموال کو کہیں کہیں بے جا طور پر صرف کیا جاتا ہو تو یہ بات اگرچہ حاکم کے لیے ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ امر سرے سے بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کافی نہیں -

بیت المال کے غیر منتظم قرار دینے کی ایک اور دلیل جو قدیم کتب فقہ میں ملتی ہے، امام کا غیر عادل ہونا ہے - اس سے قطع نظر کہ امام کا غیر عادل، فاسق یا ظالم ہونا بیت المال کو غیر منتظم قرار دینے کے لیے کس حد تک وجہ جواز بن سکتا ہے، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے جس زمانہ اور جن حالات میں بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام عادل ہونے کی شرط لگائی تھی، اس زمانہ میں امام کو ملک کے خزانہ عامرہ پر کلی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ وہ اس میں جا و بے جا تصرف کر سکتا تھا اور کوئی باضابطہ مشینری یا ادارہ ایسا نہ تھا جو اس کے تصرفات (ناجائز) میں مانع ہو سکتا - بنابریں فقہاء نے بیت المال کے منتظم قرار دینے کے لیے امام کے عادل ہونے کی شرط عائد کی - لیکن عہد حاضر میں صدر مملکت بھی خزانہ عامرہ (بیت المال) میں آزادانہ تصرف کا مجاز نہیں۔ خود اس کی تنخواہ

marfat.com

اور الاؤنس وغیرہ کی منظوری ملک کی پارلیمان دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دیگر ذرائع مثلاً رشوت ستانی یا صنعتی و تجارتی مراعات و اجازت نامہ (لائیسنس) وغیرہ کے ذریعہ ناجائز طور پر کچھ منفعت حاصل کر لے مگر وہ بیت المال میں ایک مقررہ حد سے زیادہ کسی طرح تصرف کا مجاز نہیں۔ اندریں صورت پاکستان کے خزانہ عامرہ (بیت المال) کو منتظم قرار دینا ہوگا۔ از روئے فقہ اسلامی وراثت کے باب میں بیت المال کو جو استحقاق حاصل ہے اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ بالآخر بیت المال کا قیام عامہ المسلمین کی فلاح و بہبود اور ریاست کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہوتا ہے، جس سے بہر حال تمام شہری مستفید ہوتے ہیں۔

بہر کیف یہ بات ایک محدود دائرہ میں سیاست شرعی کے طور پر کہی گئی ہے کیونکہ لاوارث مال یا لقیطہ (وہ مال جو راستہ میں پڑا ہوا مل جائے جس کا کوئی مدعی نہ ہو) کی حقدار اسٹیٹ ہی ہوا کرتی ہے، جس کی صراحت خود دستور پاکستان میں موجود ہے۔

تاہم ایک اسلامی حکومت کے خزانہ عامرہ کو شرعی بیت المال قرار دینے کیلئے حسب ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ آمد و خرچ کی علحدہ علیحدہ مدات قائم ہوں۔

۲۔ آمدنی کی کوئی مد غیر شرعی نہ ہو۔

۳۔ آمدنی کے صرف کی تمام تر نوعیت اسلامی ہو، غیر شروع، آزادانہ اور غیرشرعی محل پر صرف نہ کیا جائے۔

۴۔ حکومت نے زکواۃ، عشر، جزیہ کی آمدنی سے بلا جواز شرعی دست برداری اختیار نہ کر رکھی ہو۔

۵۔ حاکم وقت غیر عادل ہو۔

۶۔ مستحقین کو شرع کے مطابق خزانہ عامرہ سے ان کے مالی حقوق دیے جاتے ہوں۔

واضح رہے کہ کسی مسلم مملکت کے موجودہ خزانہ عامرہ پر شرع اسلام کا کوئی جزء منطبق ہو جاتا ہو تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ خزانہ ''شرعی بیت المال،، قرار پا گیا۔

---

marfat.com

پونتیسواں باب

عول

عول

۲۹۱ - جب کسی میت کے ترکہ میں ذوی الفروض کے سہام کی تعداد زیادہ ہو اور ترکہ کی اکائی ان سہام کی تعداد کو ان کے حق کے مطابق پورا نہ کرسکتی ہو تو سہام میں کمی کر کے تمام ورثاء کے حق میں تقسیم کے لیے حسابی زیادتی پیدا کرنے کا ''نام عول،، ہے

تشریح

جب مخرج ایسا کم واقع ہو کہ کل مستحق ورثاء کے حصوں پر پورا پورا تقسیم نہ ہوسکے تو اس مخرج کے اجزاء میں کسی جزو کو بڑھا کر کمی پوری کر دی جاتی ہے۔ اس عمل کو ''عول،، کہا جاتا ہے اور جس مسئلے میں عول واقع ہو اس کو ''مسئلہ عولیہ،، کہتے ہیں۔ سراجیہ میں لکھا ہے کہ ''عول یہ ہے کہ زیادہ کیا جائے مخرج پر کچھ اس کے اجزاء سے جب کہ مخرج ادائے فرض سے کم رہے۔،،(۱)

''عول،، کے لغوی معنی ''ظلم کی طرف مائل ہونا،، ہیں،،۔ اس کے علاوہ ''جور و زیادتی،، کے معنی بھی آتے ہیں۔ علم المیراث کی اصطلاح میں جب ذوی الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ترکہ کو اصل عدد کی طرف مرتفع اور اس کے مخرج سے زیادہ کر دینا (تا کہ وارثوں

---

(۱) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۶۳
الدرالمختار بر حاشیہ رد المحتار، حصکفی، علاءالدین (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۴، ج ۵، ص ۵۵۵ (''العول ان یزاد علی المخرج شی من اجزاء اذا ضاق عن فرض،،)

marfat.com

کے حصوں میں کمی ہوجائے) ''عول،، کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر میت نے شوہر، دو حقیقی بہنیں اور ماں چھوڑی۔ از روئے قرآن شوہر کو نصف، حقیقی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن ان تمام حصص کا مجموعہ ترکہ کی اکائی سے بڑھ جاتا ہے اس لئے مسئلہ چھ سے بڑھ کر آٹھ کی طرف ''عول،، کر جائے گا۔ بالفاظ دیگر شوہر کو ۳/۸، حقیقی بہنوں کو ۴/۸ اور ماں کو ۱/۸ ملے گا۔

عول کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حصوں کی کسر جمع کر کے نسب نما کو شمار کنندہ کے مجموعہ کے برابر کر دیا جائے۔ مذکورہ بالا مثال میں نسب نما ۶ ہے جب کہ شمار کنندہ کا مجموعہ ۸ ہوتا ہے۔ لہذا نسب نما کو بھی بڑھا کر ۸ کر دیا جائے گا اور اس طرح حصص شمار کنندہ کے اعتبار سے تقسیم ہو جائیں گے۔

طریقہ عول کا آغاز :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عول کا حکم فرمایا۔ ان کے زمانے میں ایسی صورت واقع ہوئی کہ اصحاب فرائض کے سہام ترکہ کی اکائی سے زیادہ تھے۔ آپ نے صحابہ کبار سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عباس بن مطلب نے عول کا مشورہ دیا، جس سے تمام صحابہ نے اتفاق فرمایا۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود جیسے صحابہ مجتہدین شامل تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ سے اختلاف کرتے ہوئے عول کے مسئلہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے اس قول میں محمد بن علی ابن ابی طالب، علی بن الحسن اور زین العابدین اور عطاء ابن ابی رباح رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی موافقت کی ہے۔ عباس بن احمد الحسنی الیمنی الصنعانی نے تتمۃ ''الروض النضیر،، میں لکھا ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر علماء، صحابہ و تابعین عول کے قائل ہیں اور اکثر اہل بیت وغیرہم نے بھی عول کی صحت میں ان مذکورہ

marfat.com

حضرات کی موافقت کی ہے۔ اگر حضرت ابن عباس کی مخالفت مشہور نہ ہوجاتی تو عول کے مسئلہ پر اجماع قطعی کا حکم لگا دینا یقینی ہو جاتا۔(۲)

عول کی ضرورت :

عول کی ضرورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں اس لیے پیدا ہوئی کہ آپ نے فرمایا ''مجھے قرآن سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ ذوی الفروض میں سے کون قابل تقدیم ہے اور کون قابل تاخیر۔ تاکہ مقدم کو مقدم کردوں اور موخر کو موخر۔،،(۳) اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب اصحاب فرائض کے درمیان یکسانیت پیدا کرنے کے لئے عول کا طریقہ جاری فرمایا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک :

حضرت ابن عباس، جنھوں نے حضرت عمر کی وفات کے بعد عول کے مسئلے میں اختلاف رائے کیا، اپنے نقطہ نظر کی دلیل میں یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ جس صاحب فرض کو اللہ تعالی نے فرض کے ایک مقررہ حصے سے کم کرکے دوسرا مقررہ حصہ دینے جانے کا حکم دیا ہے وہ صاحب فرض قوی اور مقدم ہے اس کو اللہ تعالی نے مقدم رکھا ہے اور جس صاحب فرض کو فرض کے مقررہ حصے کے بعد کسی دوسرے غیر مقررہ حصے کی طرف پھیر دیا ہے وہ صاحب فرض ضعیف اور موخر ہے مثلاً زوجین میں زوج یا زوجہ اولاد ہونے کی صورت میں نصف و ربع سے منتقل ہوکر چوتھائی اور آٹھویں حصے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن بالکل محروم نہیں ہوتے۔ اس کے برخلاف بھائی اور بہنیں بعض حالتوں میں اپنے مقررہ حصوں سے بالکل محروم ہوجاتے ہیں لہذا یہ اول کے مقابلے میں موخر ہوں گے۔ چنانچہ ابن عباس کے قول کے مطابق وہ ذوی الفروض جن کے حصے کسی دوسرے وارث کی موجودگی میں ایک مقررہ

---

(۲) الترکة والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۲۰

(۳) الترکة والمیراث فی الاسلام، الدکتور محمد یوسف موسی، محولہ بالا، ص ۳۲۰ المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

marfat.com

حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں ان کو اولیت دی جائے گی، جیسے شوہر، زوجہ، باپ، ماں اور جن ذوی الفروض کے حصے کسی بناء پر مقررہ حصے سے غیر مقررہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا جو بالکل محجوب ہوجاتے ہیں ان کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ مثلاً بیٹیاں، بہنیں وغیرہ، کیونکہ وہ ایک طریق پر صاحب فرض ہیں اور دوسرے طریق پر عصبات۔ اس لیے پہلے قسم کے ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دیا جائے گا اور دوسری قسم کے ذوی الفروض کے حصوں میں کمی کی جائے گی کیونکہ ذوی الفروض کا حق عصبات سے پہلے دیا جاتا ہے۔

احناف کا جواب :

لیکن احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تمام ذوی الفروض جو کسی درجہ میں جمع ہوں از روئے استحقاق (بحیثیت فرضیت) برابر ہیں اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ چونکہ ان سب کا استحقاق بذریعہ نص قرآن قائم ہوا ہے لہذا سب کا استحقاق برابر ہوگا اور ہر شخص اپنا پورا پورا حصہ لے گا، اگر مل سکے اور اگر ترکہ حسب حصص موجود نہ ہو تو سب کے حصوں میں برابر کمی کی جائے گی۔

ذوی الفروض و عصبات کے درمیان ابن عباس کی مندرجہ بالا تفریق کے عدم جواز پر حنفیہ کی جانب سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ عصوبت قوی ترین سبب ارث ہے ، اس لیے اس بنا پر نقصان دینا یا محروم کر دینا، جب کہ وہ صاحب فرض بھی ہو، درست نہیں ہو سکتا، بلکہ عول کے ذریعہ سے جو مخرج بڑھایا جاتا ہے اس کی وجہ سے جو نقصان عائد ہو وہ تمام مستحقین پر بقدر تناسب پھیلا دیا جائے۔ یہی اصح ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔

عول کے مسئلے میں ہمیشہ ذوی الفروض ہی ہوتے ہیں۔ عصبہ کوئی نہیں ہوتا کیونکہ عصبہ کو ذوی الفروض کے دینے کے بعد ملا کرتا ہے۔ یہاں عول کی ضرورت ہی اس وجہ سے ہے کہ ذوی الفروض کے لیے ہی ترکہ

marfat.com

پورا نہیں، لہذا عصبہ کو دینے کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیعہ امامیہ مسلک :

فقہاء شیعہ جعفریہ ایک حد تک ابن عباس کے مسلک کی موافقت کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ہاں جملہ حصص کی میزان اگر اکائی سے متجاوز ہو جائے تو اس اضافہ کو بیٹی یا بیٹیوں، حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصص سے منہا کر دیتے ہیں مثلاً میت نے شوہر، بیٹی، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ حصوں میں سے تین حصے یعنی چوتھائی، بیٹی کو ۱۲ حصوں میں سے ۶ حصے یعنی نصف، باپ کو ۱۲ حصوں میں سے ۲ یعنی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی ۱۲ حصوں میں سے دو حصے یعنے چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔ لیکن چونکہ حصوں کی میزان بجائے بارہ کے تیرہ ہوگئی ہے اس لیے بیٹی کا ایک حصہ منہا کرکے بجائے چھ کے پانچ کر دیے جائیں گے، چنانچہ ترکہ کے بارہ سہام میں تقسیم کر کے شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو اور بیٹی کو پانچ سہام ملیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ میت نے شوہر، دو بیٹیاں، باپ اور ماں کو چھوڑا تو شوہر کو بارہ سہام میں سے تین یعنی چوتھائی (۱/۴)، دو بیٹیوں کو بارہ سہام میں سے آٹھ یعنی دو تہائی (۲/۳)، باپ کو بارہ سہام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) اور ماں کو بارہ سہام میں سے دو یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) ملنا چاہئے، مگر حصص کی میزان پندرہ ہوگئی جو سہام کی تعداد یعنی بارہ سے تین زیادہ ہے لہذا بیٹیوں کے حصص میں سے تین سہام گھٹا کر ان کے پانچ سہام کر دئے جائیں گے اور اس طرح کل ترکہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو کر شوہر کو تین، باپ کو دو، ماں کو دو، اور بیٹیوں کو پانچ سہام ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، دو حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو شوہر کو جملہ چھ سہام میں سے تین یعنی نصف اور دو حقیقی یا علاتی بہنوں کو جملہ چھ سہام میں سے چار یعنی ۲/۳ ملنا چاہئے۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہوگیا، لہذا دو حقیقی یا علاتی بہنوں کے حصے میں سے ایک گھٹا کر اس کو چار سہام میں سے تین سہام کردیا جائے گا اور

marfat.com

تقسیم ٦ سہام میں ہوکر تین شوہر کو اور تین دونوں حقیقی یاعلاتی بہنوں کو ملیں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے پیچھے شوہر، اخیافی بہن اور حقیقی یا علاتی بہن کو چھوڑا تو شوہر کو جملہ چھ سہام میں سے تین سہام یعنی نصف، اخیافی بہن کو جملہ سہام میں سے ایک یعنی ۱/۶ اور حقیقی یا علاتی بہن کو جملہ چھ سہام میں سے تین سہام یعنی ۱/۲ ملے گا۔ لیکن اکائی میں ایک کا اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حقیقی یا علاتی بہن کے حصہ میں سے ایک سہام منہا کر دیا جائے گا اور اس طرح اس کا حصہ بجائے ۳/۶ کے ۲/۶ رہ جائے گا اور چھ سہام تقسیم ہوکر تین شوہر کو، ایک اخیافی بہن کو اور دو حقیقی یا علاتی بہن کو ملیں گے۔(۳) یہ سب صورتیں شیعہ امامیہ مسلک کے بموجب ہیں۔

شیعہ امامیہ اس قاعدے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ حقیقی بہن جب اخیافی بہن کے ساتھ وارث ہوتی ہے تو رد کا پورا پورا استفادہ وہی حاصل کرتی ہے۔ لہٰذا انصافاً نقصان بھی اسی کو برداشت کرنا چاہئے یعنی اضافہ شدہ کسر کی منہائی حقیقی بہن کے حصے میں سے ہی ہونی چاہئے، لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ اخیافی بہن کے ساتھ جب علاتی بہن وارث ہو تو وہ کیوں کمی برداشت کرے اس کو پورا ترکہ بذریعہ رد نہیں ملتا؟

ظاہریہ مسلک:

علامہ ابن حزم نے چونکہ حضرت ابن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے اس لیے اپنی مشہور کتاب ''المحلی،، میں عول کی تردید میں بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ حضرت ابن عباس کی جو روایت اوپر بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے کن ذوی الفروض کو مقدم کیا ہے اور کون وہ ہیں جن کو موخر کیا ہے، ابن حزم نے اس راویت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ''جو فریضہ

---

(۳) المیراث، توقیر مرزا رزقی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ع، صص ۸۳-۶۹
شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، عولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۲۰۱

marfat.com

(مقررہ حصہ) ایسا ہے کہ اس کو اللہ تعالی نے اس سے نیچے لاکر کم حصہ مقرر کیا ہے تو یہ وہ فریضہ ہوگا جس کو مقدم سمجھا جائے گا، اور جو فریضہ (مقررہ حصہ) ایسا ہو گا جب اس کو زائل کیا گیا اور پھر اس کے بعد کوئی حصہ (فریضہ) مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو موخر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ شوہر کا مقررہ حصہ جب نصف سے نیچے آتا ہے تو چوتھائی مقرر ہوجاتا ہے۔ اس حصے سے کبھی محروم نہیں ہوتا اور زوجہ چوتھائی سے نیچے آتی ہے تو آٹھویں کی مستحق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ماں ایک تہائی سے چھٹے حصہ کی جانب آجاتی ہے، بالکل ساقط نہیں ہوتی۔ لہذا یہی وہ صاحبان فرض ہیں جن کو اللہ تعالی نے مقدم کیا ہے اور ہمشیرہ اور بیٹیاں نصف کی حق دار بنائی گئی ہیں یا دو تہائی کی لیکن جب ان کا یہ فرض حصہ زائل ہو جاتا ہے تو پھر ان کے لیے کوئی حصہ اللہ تعالی نے مقرر نہیں فرمایا، لہذا یہ وہ اصحاب فرائض ہیں جن کو اللہ تعالی نے موخر کر دیا ہے۔ چنانچہ ان اصحاب فرائض میں سے جب ان کا باہم اجتماع ہو جائے تو جس کو مقدم کیا ہے ان کے فریضے (مقررہ حصے) دینے کے بعد جو بچے وہ موخر اصحاب فرائض کو دیا جائے گا اور اگر نہ بچے تو کچھ نہ دیا جائے گا۔

چنانچہ جس مقام پر میت کا شوہر اور بہن اور ماں جمع ہوں تو ان کے نزدیک شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی دے کر باقی چھٹا رہتا ہے وہ بہن کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ رہتا تو کچھ نہ دیا جاتا۔(۵)

جمہور فقہاء کا مسلک:

جمہور فقہاء، صحابہ اور تابعین ائمہ اربعہ و شیعہ زیدیہ کے فقہاء عول کے قائل ہیں۔ امام سرخسی نے عول کی تائیدی دلیل میں فرمایا ہے کہ یہ تمام ورثاء (ذوی الفروض) استحقاقی حیثیت میں برابر درجہ رکھتے ہیں، لہذا ان کے درمیان مساوات اختیار کرنا لازمی ہے۔ اس لیے اگر ترکہ ان سب کے حقوق پورا کر دیتا ہے تو سب کو ان کے حقوق پہونچا دئے جائیں گے۔

(۵) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۲۶۰

marfat.com

اور اگر محل تقسیم (ترکہ) تمام ورثاء کے حصوں کے پورا پورا دینے سے قاصر ہوگا تو پھر ان میں طریقہ عول اختیار کیا جائے گا۔ اور سب کے حصوں میں ان کے حصوں کے بقدر کمی کی جائے گی اور کسی کو بالکل محروم نہ کیا جائے گا۔(۶)

نتیجہ فکر:

حضرت ابن عباس کی رائے اگرچہ فقہی نقطہ نظر سے بظاہر قابل توجہ ہے کیونکہ وہ صاحبان فرض میں سے قوی اور ضعیف کی معرفت کے ساتھ ان کو مقدم و موخر کرنے کے قائل ہیں، جس کے لیے انھوں نے یہ فقہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ کون صاحب فرض ساقط نہیں ہوتا اور کون کس وقت ساقط ہو جاتا ہے، لہذا جو کبھی ساقط نہیں ہوتا وہ قوی ہے اور جو کبھی ساقط ہو جاتا ہے وہ ضعیف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قوی کو دینے کے بعد اگر کچھ باقی رہے تو ضعیف کو اتنا باقی دے دیا جائے گا اور باقی نہ رہے تو محروم کردیا جائے گا۔

لیکن راقم الحروف کے خیال میں اصحاب فرائض میں سے قوی اور ضعیف معلوم کرنے کی جو وجہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے یا امام ابن حزم نے اپنی کتاب ''المحلی،، میں بیان کی ہے اس کے لیے کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ تمام فقہاء صحابہ و فقہاء ما بعد کا اتفاق ہے کہ سنت نبوی سے اصحاب فرائض کی قوت اور ضعف کی علت کا اس طرح متعین ہونا ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن بھی اس علت کی بناء پر قوت و ضعف کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے اصحاب فرائض میں سے ہر صاحب فرض کے مقررہ حصے کو کسی قوت و ضعف کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان فرمایا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا امیرالمومنین عمر الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ''میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالی نے کس صاحب فرض کو مقدم کیا ہے کہ میں اسے مقدم کردوں اور کس صاحب فرض کو موخر کیا ہے کہ میں اسے موخر کردوں۔(۷)

(۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، صص ۶۳-۱۶۱

(۷) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۲۹، ص ۱۶۱

''لاادری من قدمہ اللہ فاقدمہ ولا من اخرہ اللہ فاخرہ،،

marfat.com

اس کے علاوہ دوسری وجہ عول کی صحت اور جواز کی یہ ہے کہ عول کا طریقہ اختیار کرنے سے تمام اصحاب فرائض کے درمیان ایک عادلانہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک فرد یا جماعت کے حصے میں کمی کردی جائے یا اس کو بالکل محروم کر دیا جائے۔ اس طرح تمام اصحاب فرائض کے حصوں میں ان کے حصوں کی نسبت سے یکساں طور پر کمی واقع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ عول کا اس طرح عمل صلہ رحمی کے نقطہ نظر سے بھی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میت پر اگر چند شخصوں کا قرضہ (بحالت صحت) واجب الادا ہو اور ترکہ تمام قرض خواہوں کے قرض کی ادائی کے لیے کافی نہ ہو تو تمام قرض خواہوں کے حق میں قرض کے تناسب سے کمی کر کے تمام قرض خواہوں کو دیا جائے گا، نہ کہ بعض کو محروم کر دیا جائے یا بعض کو پورا اور بعض کو کم کر کے دیا جائے۔ لہذا جب تک قرآن سے عبارتاً یا دلالۃً یا اقتضاءً یا اشارۃً اصحاب فرائض کے درمیان قوت و ضعف پر کوئی محکم دلیل نہ پائی جائے اس وقت تک ان سب کے حقوق میں مساوات اختیار کرنا انسب ہوگا اور یہ عول ہی کے ذریعہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں آخری دلیل یہ بھی دی جا سکتی ہے کہ عول کا مسئلہ وہ مسئلہ ہے جس کو حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام فقہاء صحابہ نے متفقہ طور پر قبول کیا ہے جس سے صحابہ کا اجماع قائم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز ان حضرات کے بعد فقہاء تابعین میں سے جمہور فقہاء، مشہور مذاہب اربعہ کے ائمہ اور امت کے سواد اعظم نے اس کو قبول کیا ہے نیز استدلالی حیثیت سے بھی یہ مذہب قوی نظر آتا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس اور ان کے اتباع میں ابن حزم کے مذہب پر عمل کی صورت میں بعض اصحاب فرائض کے حصے پر کمی کا پورا بار ڈال دینا یا بالکل محروم کردینا لازم آتا ہے جو کتاب اللہ کی صریح طور پر مخالفت ہے۔ اس کے بر خلاف جمہور کے مسلک کے مطابق عول کے ذریعہ یہ صورت پیش نہیں آتی، بلکہ ہر صاحب فرض کا حصہ اس کو پہونچتا ہے اور ایک مکلف کی طاقت میں بھی ہے کہ جس طرح ممکن ہو تمام اصحاب فرائض کو بحصہ مساوی پورا پورا یا بحصہ رسدی مساوی کمی کے ساتھ ان کے حصے پہونچا

marfat.com

دئے جائیں۔ اس لئے عول کے مسئلے کو اختیار کرنا ھی حق بجانب ھے۔

عرب ممالک میں رائج الوقت قانون:

مصر کے قانون المواریث، مجریہ ۱۹۴۳ع کی دفعہ ۱۵ کے تحت یہ قانون ھے کہ جب اصحاب الفروض کے حصوں کی مجموعی تعداد ترکہ کی اکائی سے بڑھ جائے تو ان کے حصوں کے مطابق عول کرکے تقسیم عمل میں لائی جائے گی۔(۸) یہی عبارت ملک شام کے قانون میں اختیار کی گئی ھے(۹) نیز تیونس میں بھی یہی قانون ھے۔(۱۰) عراق کے قانون میں اگرچہ کوئی دفعہ عول کے سلسلہ میں مذکور نہیں لیکن اس میں یہ صراحت ضرور کردی گئی ھے کہ قرابت دار ورثاء کے سہام اور ان کے استحقاق میں ان احکام شریعت کا لحاظ کیا جائے گا جو قانون الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۹ع سے قبل ملحوظ رھے ھیں۔(۱۱) چنانچہ عراق میں قانون الاحوال الشخصیہ کے نفاذ سے قبل فقہی مکاتیب فکر کے مطابق عمل کیا جاتا ھے تھا۔ مراکش کے قانون میراث کی دفعات ۲۵۷، ۲۵۸، اور ۲۶۴ کے تحت عول کے مختلف مسائل بیان کیے گئے ھیں جن سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ مراکش میں بھی عول کے طریقہ پر عمل ھوتا ھے۔

عدالتی فیصلے:

ھند و پاکستان کی عدالتوں نے ترکہ اکائی سے بڑھ جانے کی صورت میں عول کا طریقہ اختیار کیا ھے، اور اس مسئلہ میں سنی اور شیعہ فرقوں کی فقہ کے مطابق فیصلے کیے جاتے رھے ھیں اور یہی انسب ھے۔

---

(۸) قانون الاحوال الشخصیہ، مصر، مجریہ ۱۹۴۳ع دفعہ ۱۵
''اذا زادت انصباء اصحاب الفروض علی الترکۃ قسمت بینھم بنسبۃ انصبائھم فی الارث۔''

(۹) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۲۷۳

(۱۰) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، ۱۹۵۶ع، فصل ۱۱۲
''جب کہ اصحاب فروض کے حصے تعداد میں ترکہ کی مقدار سے زائد ھوں تو ان کے وراثت کے حصوں کے بموجب ان کی مناسبت سے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔''

(۱۱) قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۹۰

marfat.com

پینتیسواں باب

حمل، مفقود، اسیر، ولد الزنا، ولد الملاعنہ اور خنثیٰ کی میراث

حمل کی میراث

۲۹۲ - بہ پابندی احکام متعلق نسب اولاد مندرجہ باب ۱۱ مجموعہ ہذا، متوفی کے حمل کے لئے لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک فرد کا وہ حصہ روک رکھا جائیگا جس کی مقدار زیادہ ہوگی - یہ عمل اس وقت ہوگا جب کہ حمل متوفی کے وارثوں میں سے کسی وارث کے لئے حجب نقصان کا سبب ہو سکتا ہو، لیکن اگر حمل حجب حرمان کا سبب ہوتا ہو تو کل ترکہ تقسیم سے روک دیا جائیگا، اور قبل پیدائش بصورت تقسیم ترکہ ورثاء سے ضمانت (Security) لی جائے گی -

۲ - حمل اس وقت وارث ہوسکے گا جب کہ اس کا کل یا نصف سے زیادہ حصہ زندگی کی حالت میں پیدا ہوا ہو، لیکن جس صورت میں کہ نصف سے کم حصہ زندہ پیدا ہو اور زیادہ حصہ مردہ، تو یہ کل مردہ تصور کیا جائے گا اور وارث نہ ہوگا، البتہ اگر حمل پر دست اندازی کی گئی ہو اور اس کے سبب حمل مردہ پیدا ہوا ہو تو اس صورت میں وہ حمل خود بھی وارث ہوگا اور اس کے دیگر ورثاء بھی اس کے وارث ہونگے -

۳ - جب کہ حمل پیدا ہوجائے تو جو حصہ روکا گیا ہے اگر وہ اس پورے حصہ کا وارث ہے تو اس کو وہ پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ اس کے جزو کا مستحق ہے تو وہ جزو دینے کے بعد جو باقی رہے گا، ورثا میں بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائے گا -

تشریح

سابقہ ابواب میں ان ورثاء کی میراث کا ذکر کیا گیا ہے جن کی حیات مورث کی وفات کے وقت متحقق (ثابت اور موجود) ہو - لیکن بعض صورتوں میں

marfat.com

وارث کی حقیقی حیات کا یقینی ثبوت اور اس کی جنس کا قطعی تعین دشوار ہوتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں ایسی صورتوں سے متعلق میراث کو ''ارث بالتقدیر،، یعنی ''اندازہ سے میراث،، کا نام دیا گیا ہے۔ ان میں میراث حمل، میراث مفقود میراث اسیر، میراث خنثی شامل ہیں۔ چونکہ ولد الزنا اور ولد اللعان کا مسئلہ بھی نسب کے تعین میں تردد کے باعث ایک غیر یقینی صورت کا حامل ہوتا ہے، اس لیے ان سب کی میراث کے مسائل کو اس باب میں جمع کردیا گیا ہے۔

میراث حمل:

تمام فقہاء امت کے نزدیک حمل منجملہ دیگر ورثاء کے وارث ہوتا ہے بشرطے کہ وہ مورث کی وفات کے وقت بطن مادر میں موجود ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو۔(۱) البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ مورث کی وفات کے وقت سے زائد سے زائد کتنی مدت میں زندہ پیدا ہوا ہو، نیز یہ کہ وہ حمل خود میت کی زوجہ کا ہے یا کسی دوسری عورت کا ہے جو مورث کا وارث ہے۔

حمل کی کم سے کم مدت:

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اس کی بنیاد قرآن پاک کی حسب ذیل دو آیتوں پر قایم ہے:-

(۱) ''وحمله و فصاله ثلاثون شهراً (یعنی اس کا حمل اور دودھ چھڑائی تیس ماہ ہے)۔ ۲

(۲) ''و فصاله فی عامین،، (یعنی اس کا دودھ چھڑانا دوسال میں ہے)۳

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے ملاکر پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچے کے حمل اور دودھ چھڑائی کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے اور اس کی دودھ چھڑائی دو سال میں ہے۔بالفاظ دیگر ۲۴ ماہ دودھ پلانے (رضاعت) کی (انتہائی) مدت ہوئی اور باقی چھ ماہ حمل کی۔

---

(۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۱-۵۰

(۲) ۴۶ : ۱۵ (احقاف۔ک)

(۳) ۳۱ : ۱۴ (لقمان۔ک)

ان ہر دو آیات کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی سب سے پہلے رضاعت اور حمل دونوں کی ایک ساتھ خبر دے رہا ہے، لیکن چونکہ اس میں یہ احتمال تھا کہ اگر حمل نو ماہ میں تولد ہو یا دس ماہ میں تو بقیہ ۲۱ یا ۲۰ ماہ کی آخری مدت رضاعت کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالی نے اس احتمال کو رفع کرنے کی غرض سے رضاعت کا حکم علیحدہ بیان فرمایا جس کے لیے دوسری آیات نازل ہوئی اور رضاعت کی انتہائی مدت کا تعین ہوگیا۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ''جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہیں ان کے لیے آخری، انتہائی میعاد یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔(۴)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی نے رضاعت کی انتہائی مدت بیان فرمائی ہے کیا حمل کی بھی یہ مدت انتہائی ہے؟ کیونکہ بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے اس باقی ماندہ مدت (چھ ماہ) کو کم سے کم قرار دیا جاسکے۔ اسی بناء پر فرقہ ظاہریہ جو قرآن پاک کے ظاہری معنی پر احکام کی بنیاد رکھنے کا قائل ہے چھ ماہ کو مدت حمل قرار دیتا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ عرصہ کی تقیید کا قائل نہیں ہے۔

اگرچہ قرآن پاک سے چھ ماہ کا حمل کی ''کم سے کم،، مدت ہونا ظاہر نہیں ہوتا لیکن حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔(۵) حضرت علی نے بھی اسی طرح استدلال کیا ہے اور حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔(۶)

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ خدائے تعالی نے حمل اور

---

(۴) ۲ : ۲۳۳ (البقرۃ م)
''والوالدات یرضعن اولاد ھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعة،،
(۵) ابن کثیر (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۳۵
(۶) ابن کثیر، (اردو ترجمہ)، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸

marfat.com

رضاعت کی کل مدت ۳۰ ماہ مقرر کردی ہے، چنانچہ جب کسی عورت کے نو ماہ میں بچہ پیدا ہو تو اس کی دودھ پلائی کی مدت اکیس ماہ کافی ہے اور جب سات ماہ میں ہو تو مدت رضاعت تئیس ماہ اور جب چھ ماہ مین ہو تو مدت رضاعت دو سال کامل ہے۔(۷) (ابن عباس کی یہ تفسیر مذکورہ بالا پہلی آیت سے متعلق ہے جس میں دونوں کا حکم ایک ساتھ بیان ہوا تھا۔ بعد میں دوسری آیت مین دو سال کی تصریح کردی گئی ہے)۔

بہر کیف، ان آیات و احادیث سے اس استدلال کے ذریعہ یہ امر سوثق ہو گیا کہ اللہ تعالی نے چھ ماہ اقل (کم سے کم) مدت حمل بیان فرمائی ہے۔

حنفی مسلک :

احناف کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت دو سال ہے۔ اگر حمل میت کی زوجہ مطلقہ یا بیوہ کا ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ عورت نے عدت گذرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اگر عورت نے عدت گزرنے کا اقرار کرلیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہوا ہو (خواہ پیدائش اندرون دو سال ہی کیوں نہ ہو) تو اس کا نسب متوفی (مورث) سے ثابت نہ ہوگا اور اس بچے کو میت کی میراث نہ ملے گی کیونکہ عدت گزرنے کے اقرار کے بعد وہ حمل متوفی (مورث) کا نہیں ہو سکتا۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ جو چیز ساقط ہوگئی وہ لوٹا نہیں کرتی اور جو چیز گزر گئی وہ حجت نہیں ہو سکتی۔(۸)

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مکمل اتفاق رائے پایا جاتا ہے، نیز کسی حنفی امام یا فقیہہ سے بھی اس مسئلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔

مالکیہ و شافعیہ مسلک :

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اصح قول کے بموجب حمل کی انتہائی مدت چار سال تک ہے۔ ابن رشد نے امام مالک سے ایک قول پانچ

(۷) ابن کثیر، محولہ بالا، پارہ ۲۶، ص ۸ (اردو ترجمہ)

(۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف الدین جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۲

البدائع الصنائع، کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۲

المبسوط، سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۵۱-۵۰

فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰

marfat.com

سال کا بھی نقل کیا ہے۔ بعض فقہاء مالکیہ سات کے بھی قائل ہیں، لیکن محمد بن عبدالحکم (مالکی) صرف ایک سال تک کی آخری مدت کے قائل ہیں۔ ابن رشد نے اپنا ذاتی نظریہ ابن عبدالحکم اور ظاہریہ کے قول کی موافقت میں قائم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ابن عبدالحکم اور ظاہریہ کا قول عادت جاریہ سے زیادہ قریب ہے اور حکم بہر حال وہ واجب ہوتا ہے جو عادت جاریہ کے مطابق ہو نہ کہ نادر اور ممکن ہے کہ وہ محال ہو۔(۹)

حنبلیہ مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے مشہور قول کے مطابق حمل کی زائد سے زائد مدت چار سال ہے، اگرچہ ان کا ایک قول حنفی مسلک کے موافق بھی ملتا ہے۔

بعض دیگر اصحاب کی رائے :

مندرجہ بالا فقہی مذاہب کے علاوہ ،لیث بن سعد کے نزدیک حمل کی انتہائی مدت تین سال، عباد بن عوام کے نزدیک پانچ سال اور امام ابن شہاب زہری کے نزدیک ایک روایت کے بموجب پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال ہے۔ ان اصحاب کے نزدیک مذکورہ مدت تک بچہ بطن مادر میں رہ سکتا ہے۔(۱۰)

شیعہ امامیہ مسلک :

شیعہ فقہاء کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زائد سے زائد مدت نو ماہ اور بعض کے نزدیک دس ماہ تک اور بعض کے نزدیک یہ مدت ایک سال تک ہو سکتی ہے لیکن علامہ نجم الدین جعفر الحلی نے اپنی مشہور تصنیف شرائع الاسلام میں ایک سال کے قول کو متروک لکھا ہے۔(۱۱)

---

(۹) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸ :
" وقول ابن عبدالحکم و الظاهریة هو اقرب الی المعتاد ، و الحکم انما یجب ان یکون بالمعتاد، لا بالنادر و لعله ان یکون مستحیلا۔ "

(۱۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۷۷

(۱۱) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، مطبوعہ تہران، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۹۷

marfat.com

ظاہریہ مسلک :

ظاہری فقہ کے امام داؤد بن علی الظاہری نے حمل کی مدت چھ ماہ تک قرار دی ہے۔(۱۲) وہ دراصل قرآن کی ظاہر نص پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں کہ خود قرآن نے حمل کی مدت چھ ماہ قرار دی ہے۔ جس میں کم سے کم یا زائد سے زائد کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ جس طرح قرآن پاک میں رضاعت کی انتہائی مدت دو سال قرار دی گئی ہے اسی طرح حمل کے لیے چھ ماہ کی مدت کے لیے بھی انتہائی ہونے کی لیے قرینہ پایا جاتا ہے۔ ظاہریہ چونکہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں اس لیے وہ قرآن کے ظاہر معنی پر مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں لیکن اگر حمل کی انتہائی مدت کے بارے میں ان کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ قرآن جھوٹی خبر دے رہا ہے کیونکہ بالعموم بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

احناف کے قول کی بنیاد :

حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال ہونے کے ثبوت میں احناف اپنی دلیل میں حضرت عائشہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''بچہ اپنی ماں کے بطن میں دو سال سے ایک لمحہ زیادہ نہیں رہتا،،۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔(۱۳) یہاں ''ظل مغزل،، کا لفظی ترجمہ ''تکلی کا سایہ،، ہے۔ دراصل اس سے قلت وقت کی طرف کنایہ ہے۔ احناف کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ کا مذکورہ بالا قول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا اور اس کو ان کی ذاتی رائے تسلیم کیا جانا ممکن نہیں، کیونکہ ایسے احکام میں ذاتی رائے کو

---

(۱۲) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۵۸

(۱۳) دارقطنی، محولہ بالا، مطبوعہ مدینہ منورہ، جزء ۳، صص ۳۲۲ - ۳۲۱ :

''من طریق ابن المبارک ثنا داؤد بن عبدالرحمن عن ابن جریج عن جمیلۃ بنت سعد عن عائشۃ قالت : ''الولد لا یبقی فی بطن امہ اکثر من سنتین، ولو بظل مغزل۔،،

السنن الکبری، بیہقی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۴۴۳

نصب الرایہ، عبداللہ بن یوسف زیلعی، (م ۷۶۲ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۳، صص ۲۶۴-۲۶۵

(باب ثبوت النسب)

marfat.com

دخل نہیں دیا جاسکتا، بلکہ اس قسم کے تشریعی حکم میں صحابی یا صحابیہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی سمجھا جائے گا۔(۱۴)

ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی بنیاد :

امام مالک، شافعی اور احمد ابن حنبل اپنے نقطہ نظر کے ثبوت میں چند واقعات بطور دلیل پیش کرتے ھیں۔ چنانچہ ولید بن مسلم سے مروی ھے : ''ولید نے کہا، کہ میں نے حضرت امام مالک کے سامنے جمیلہ بنت سعد کی اس حدیث کا ذکر کیا جس کو انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ھے کہ کوئی عورت دو سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی۔ امام مالک نے فرمایا سبحان اللہ بھلا یہ کون کہہ سکتا ھے ؟ ھماری ھمسایہ عورت، محمد بن عجلان کی بیوی، چار سال تک حاملہ رھی ھے۔،،(۱۵)

اس واقعہ کو امام شافعی نے بھی نقل کیا ھے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی بنو عجلان کے بارے میں کہا ھے کہ بنو عجلان کی عورتیں عموما چار چار سال تک حاملہ رھی ھیں اور عجلان کی زوجہ کے تین بچے پیدا ھوئے اور ھر بچہ چار سال تک حمل میں رھا۔ اسی طرح محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی اپنی والدہ کے پیٹ میں چار سال تک رھے۔ ابو الخطاب نے ابراھیم بن نجیح العقیلی کے متعلق بھی یہی روایت کیا ھے۔ نیز حضرت عثمان اور حضرت علی سے بھی یہی منقول ھے۔

امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ھے جو حضرت ضحاک کے سلسلے میں منقول ھے کہ وہ دو سال کے بعد پیدا ھوئے، حتی کہ ان کے دانت بھی نکل آئے تھے اور ھنسنے لگے تھے اور

(۱۴) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۱۱
فتح القدیر، ابن ھمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۰۱
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۷۴

(۱۵) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۴۸-۴۷۷
''قال قلت : مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ حدیث جمیلۃ بنت سعد عن عائشۃ لا تزید المرأۃ علی السنتین فی الحمل، قال مالک : سبحان اللہ من یقول ھذا ؟ جارتنا امرأۃ محمد بن عجلان تحمل اربع سنین قبل ان تلد۔،،
نصب الرایہ، عبداللہ بن یوسف زیلعی، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۶۵

marfat.com

اسی وجہ سے ان کا نام ضحاک رکھا گیا تھا۔ اسی طرح عبد العزیز ماجشونی اور ان کے خاندان میں کئی اولادیں چار چار سال کے بعد پیدا ہوئیں۔ ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرد اپنی زوجہ سے دو سال تک غائب رہا اس کے بعد آیا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ آپ کو عورت پر حد جاری کرنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن اس کے حمل کو قتل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حد کو موقوف رکھا، یہاں تک کہ جب اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اس کے دانت نکل آئے تھے۔ اور وہ اپنے باپ کا ہم شکل تھا۔ اس شخص (باپ) نے کہا: خدا کی قسم یہ تو میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت تسلیم کیا۔ حالانکہ وہ دو سال سے زیادہ میں پیدا ہوا تھا اور فرمایا کہ اگر معاذ موجود نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ (بحالت حمل حد جاری کرنے سے) ہلاک ہوجاتا۔

اسلامی ممالک میں مدت حمل کا تعین:

مدت حمل سے متعلق جن ممالک اسلامیہ میں قوانین پائے جاتے ہیں ان کے تحت مدت حمل کم از کم چھ ماہ اور زائد سے زائد ایک سال قرار دی گئی ہے گویا مالکی فقیہہ ابن عبدالحکم کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔(۱۶) ان ممالک میں اس مسئلہ کو قیاسی قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد طبی تجربات اور مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔

پاکستان میں حسب دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ع صحیح النسبی کے متعلق قطعی قیاس کے بارے میں جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدائش حمل کو اس امر کا قطعی

(۱۶) قانون المصری، نمبر ۵۰، بابت ۱۹۲۹ع، دفعہ ۱۵
قانون الاحوال الشخصیہ، عراق، ۱۹۵۹ع، دفعہ ۵۱
مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تونس، دفعہ ۷۱
قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۲۸

marfat.com

ثبوت قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس شخص کی اولاد ہے۔ اس اثنا میں بچہ کی ماں کا بے زوج رہنا لازمی ہے۔ البتہ دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت ۱۸۷۲ء میں کم سے کم مدت حمل کا تعین نہیں کیا گیا۔

طبی نقطۂ نظر:

وضع حمل کی مدت کے بارے میں متعدد اطباء نے اپنی طبی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے۔ چنانچہ شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب ''القانون فی الطب،،(۱۷) میں لکھا ہے کہ وضع حمل عام طور پر اور اکثر ۹ ماہ کی مدت میں ہوتا ہے اور کم سے کم مدت سات ماہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ماہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں شیخ نے محض طبی نقطہ نظر سے طبعی وضع حمل کا ذکر کیا ہے۔ غیر طبعی طور پر یہ مدت کہاں تک ہوسکتی ہے اس کے متعلق قدیم اطباء کی کتابوں میں باوجود تلاش کوئی تفصیل نہ مل سکی۔

ایک انگریزی کتاب Origion of life and Process of reproduction کا مصنف Dr. Hollick بقراط، ارسطو، جالینوس اور شیخ کے حوالے سے اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۵۴ پر لکھتا ہے کہ ان سب کے خیال میں وضع حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہے لیکن کبھی یہ مدت ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ماہ اور بعض اوقات ۱۵ ماہ تک ہوسکتی ہے۔

طبی نقطہ نظر سے وضع حمل عموماً دس (۱۰) قمری مہینوں میں ہوتا ہے اس طرح اوسطاً وضع حمل کی مدت ۲۶۶ دن ہوتی ہے۔ یک جماعی (Single Sexual Exposure) حمل کی صورت میں یہ مدت ۲۶۹ دن شمار کی گئی ہے۔ تاہم مغربی مصنفین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت وضع حمل، جس کا ریکارڈ موجود ہے، ۲۸۹ دن،(۱۸)، ۳۱۳ دن (۱۹)، گیارہ ماہ(۲۰) اور ۳۳۰

---

(۱۷) القانون فی الطب، بو علی سینا، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۵۷۰

(۱۸) Ralph c. benson (hand-book of Obst. and Gyn-1964) 47-52

(۱۹) Medical Examiner, June 1946 with ref. of Origin of Life and process of reproduction P, 354-55.

(۲۰) Medical Gazette with ref. of Origin of Life and process of reproduction p. 355

marfat.com

دن سے ۳۴۲ دن تک ہے(۲۱)

ڈاکٹر عارف صدقی (شام) نے اپنی کتاب ''الطب الشرعی''، جلد اول صفحہ ۱۲۲ میں تحریر کیا ہے کہ اس معاملے میں کوئی یقینی مدت ایسی نہیں ہو سکتی جس کا تعین کیا جاسکے۔ ہر کیس انفرادی نوعیت رکھتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر عورت کے حیض کے دور پر اس کا انحصار ہوتا ہے عام طور پر وضع حمل کی مدت دس دور یعنی ۲۸۰ دن ہوتی ہے جب کہ حیض کا ایک دور ۲۸ دن کا ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل:

۱۔ احناف کی جانب سے ائمہ ثلاثہ کی طرف سے بیان کردہ مندرجہ بالا روایات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ضحاک اور عبدالعزیز کی روایات میں خود ان دونوں حضرات کا اس معاملے کے متعلق اپنا کوئی علم یا اقرار نہ تھا اور محض دوسرے کا کسی امر واقعہ کی خبر دینا قابل حجت نہیں ہوتا، کیونکہ رحم کے اندر جو کچھ بھی ہو اس کا علم سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کسی کو نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ایسا واقعہ کسی بیماری، رحم کا منہ بند ہوجانے یا کسی دوسرے عارضہ کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے جو نادر الوقوع اور مستثنیات میں سے ہوگا اور حکم شرعی کی بنیاد قرار نہ پائے گا۔

۲۔ احناف کی طرف سے اس غائب شخص کی روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس روایت میں ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں جن سے صرف یہی سمجھا جائے کہ اس عورت کا شوہر دو سال کے بعد ہی آیا تھا، بلکہ یہ معنی بھی نکل سکتے ہیں کہ دو سال گزرنے کے قریب تھے کہ وہ شخص آگیا۔ مزید برآں صورت موجودہ میں اس شخص کا اقرار بالنسب کر لینا بچے کے ثبوت نسب کا ذریعہ قرار پایا ہے۔(۲۲) نیز حضرت عمر کی یہ روایت (زائد از دوسال

---

(۲۱) Legal Medicine by Maj. Collis. (1902) Page 225-230.

(۲۲) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۰

marfat.com

مدت حمل کے ثبوت میں) فقہی نقطہ نظر سے بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس عورت پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمانا، جب کہ نہ عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور نہ زنا پر چار شخصوں کی شہادت قائم ہوئی تھی، کسی اصل شرعی کے تحت صحیح نہیں ہو سکتا ! ایک شخص کا اپنی زوجہ کے متعلق محض زنا کے شبہ کا اظہار حد قائم کرنے کی حجت قرار نہیں پا سکتا۔ حضرت عمر محض شوہر کے شبہ کے اظہار کے نتیجے میں اس عورت پر حد جاری کرنے کا کیوں کر ارادہ فرما سکتے تھے! لہٰذا زائد از دو سال کی مدت حمل کے مسئلے میں یہ روایت مالکیہ و شافعیہ مسلک کی تائید میں استدلال کے لائق نہیں ہے۔

۳۔ مزید برآں، حنفیہ نے ایسے واقعات کے جواب میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ان کا قول شارع علیہ السلام کی طرف منسوب تصور کیا جائے گا۔ جس میں خطا کا احتمال نہیں اور یہ حدیث مذکورہ واقعات کے مقابلے میں (بدرجہ مرفوع) حجت قرار پائے گی۔ قطع نظر اس کے، اگر ان واقعات کے بارے میں امام مالک کے بیان کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے، تب بھی یہ امر قطعیت کے ساتھ ثابت قرار نہیں دیا جاسکتا کہ حمل کی انتہائی مدت چار سال ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس واقعہ (یا اس قسم کے واقعات) کو نادرالوجود کہا جا سکتا ہے۔(۲۳) جس پر قطعیت کے ساتھ اور آخری طور پر شرعی حکم کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ جب کہ دو سال مدت حمل کی بنیاد صحابیہ فقیہہ کے اثر پر ہے اور صحابی یا صحابیہ کی ایسی موقوف روایت جس میں کوئی شرعی تقدیری حکم بیان کیا جائے مرفوع کے درجے میں ہوتی ہے۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ کے مذکورہ بالا اقوال کے، کیونکہ ان کی بنیاد محض واقعات پر ہے جو اثر ضعیف کا درجہ بھی نہیں رکھتے۔ بعض کا قول طبی نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ طبی نتائج تغیر پذیر اور متبدل ہونے کی وجہ سے شرعی قانون کی محکم بنیاد و ماخذ قرار نہیں دئے جا سکتے۔ خصوصاً جب کہ اطباء کے تجربات بھی مختلف رہے ہوں، بعض طبیبوں نے پندرہ سولہ ماہ میں بھی وضع حمل کا

(۲۳) فتح القدیر، ابن ہمام، محولہ بالا، ج ۳، ص ۳۱۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۴۷۳

marfat.com

مشاہدہ کیا ہے، جو تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ حدیث و فقہہ اس امر میں متفق ہیں کہ صحابی کے قول پر حکم شرعی کی بنیاد رکھنا قیاس کے مقابلے میں واجب ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے اصول استخراج احکام شرعی کے بارے میں ابن عبدالبر نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے کہ ''سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں حکم شرعی کے لیے سب سے پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں، جب میں کتاب اللہ میں حکم شرعی نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار کرتا ہوں اور جب میں کتاب و سنت میں حکم شرعی نہیں پاتا تو صحابہ رسول کے قول کو لیتا ہوں اور اگر صحابہ کے متعدد اقوال ہوں اور ان مین باہم اختلاف ہو تو میں جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں اور جس صحابی کے قول کو چاہتا ہوں اختیار نہین کرتا۔ لیکن میں ان (صحابہ) کے قول سے غیر صحابہ کے قول کی طرف نہیں جاتا۔،،(۲۳) یعنی امام ابو حنیفہ کتاب و سنت کے بعد قول صحابی کو حکم شرعی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے میں کتاب و سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو مگر صحابی کا قول موجود ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حجت ہوگا اور کسی غیر صحابی کا قول یا رائے قابل اعتبار نہ ہوگی۔

امام قرشی نے بھی الجواہر المضیئہ کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ''جب کسی مسئلے میں حدیث صحیح وارد ہوتی تو امام ابو حنیفہ اس حدیث صحیح کا اتباع فرماتے (حدیث صحیحہ کی غیر موجودگی میں) اگر صحابہ یا تابعین کی کوئی روایت موجود ہوتی تو اس کا اتباع فرماتے تھے۔ (حدیث صحیح یا قول صحابہ یا تابعین نہ ہونے کی صورت میں) قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور سب سے

---

(۲۳) الانتفاع، مطبوعہ مصر، ص ۱۴۳ :

'' . . . ابن عبدالبر فی الانتقاء عن سفیان الثوری قال: سمعتہ (ای الامام ابی حنیفہ) یقول: آخذ بکتاب اللہ فمالم اجد فبسنہ' رسول اللہ صلی اللہ و علیہ وسلم فمالم اجد فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذت بقول اصحابہ آخذ بقول من شئت منہم وادع من شئت منہم ولا اخرج من قولہم الی قول غیرہم۔،،

marfat.com

بہتر قیاس کسی صحابی کے قول سے حجت لانا ہے، جب کہ اس (مسئلہ) میں قیاس کو دخل نہ ہو۔(۲۰)

محمد بن احمد ابن سہل سرخسی نے اپنی کتاب ''اصول،، میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب متقدمین اور متاخرین میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس معاملے میں معرفت حکم شرعی کے لیے قیاس کو دخل نہیں ہو سکتا اس میں کسی ایک صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اور یہی صورت مقادیر کے معاملے میں ہے جن کو رائے سے نہیں پہچانا جاسکتا۔ اسی سبب سے ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول کہ ''مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے ،، اختیار کرلیا۔ نیز انس کا قول کہ ''حیض کی کم سے کم مدت تین یوم اور زائد سے زائد دس یوم ہے،، اختیار کیا۔ نیز عثمان بن ابی العاص کے قول کو کہ ''نفاس کی مدت چالیس یوم ہے،، اور حمل کی زائد سے زائد مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کا قول ''اس کی زائد سے زائد مدت دو سال ہے،، اختیار کرلیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان (صحابہ) کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے قول میں ہرزہ سرائی کریں گے۔ لہذا یہ امر جائز نہیں ہے کہ ان (صحابہ) کے قول کو حکم شرعی کے معاملے میں کذب پر محمول کیا جائے۔

امام موصوف نے ایک اور جگہ اسی امر کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شریعت کا طریقہ ان نصوص کے ذریعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ انھیں صحابہ کے ذریعہ پہنچا ہے۔ چنانچہ ان کے قول کو جھوٹ پر محمول کرنے میں ان کی ذات اور قول کا فسق کے ساتھ (ثابت ہونا) لازم آتا ہے اور یہ امر ان کی روایت کو باطل کرتا ہے۔ لہذا اب جو امر باقی رہا وہ یا تو صحابی کی رائے ہے یا اس ذات سے سماعت پر مبنی ہے جس پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس باب میں رائے کو دخل نہیں اس لئے صحابی کے قول کا سماعت

(۲۰) د ر القرشی فی ذیل الجواهر المضیئه : و کان الامام (وابوحنیفة) اذاوردت مسئالة فیها حدیث صحیح تبعه ولوعن الصحابة والتابعین والا قاس۔ فاحسن القیاس الاحتجاج بقول الصحابی فیما لا مدخل فیه للقیاس۔،،

marfat.com

پر مبنی ہونا متعین ہو گیا چنانچہ اس صحابی کا فتوی ہر حالت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کا درجہ پا گیا۔،، (۲٦)

علامہ بزدوی نے اپنی کتاب ''اصول،، کے باب ''متابعت الصحابہ،، میں لکھا ہے کہ بردعی نے کہا ہے ''صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس سے قیاس کو ترک کیا جائے گا،، ۔(۲۷) اور امام کرخی نے کہا ہے کہ ''صحابی کی تقلید واجب ہے مگر اس مسئلے میں جس میں قیاس کے ذریعہ حکم شرعی کا ادراک نہیں کیا جا سکتا،، ۔(۲۸) پھر علامہ بزدوی نے کہا ہے کہ ''بہر حال جس مسئلے کو قیاس کے ذریعہ متعین نہیں کیا جا سکتا اس مسئلے میں صحابہ کے قول پر عمل لازمی ہو گیا اور صحابی کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ صحابی کے لیے اس قول کی کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ (قول) جھوٹ تصور کیا جائے اور یہ تصور کرنا باطل ہے، اس لیے اس قول پر عمل کرنا لامحالہ واجب ہو گیا ۔(۲۹)

---

(۲٦) ''اصول،، محمد ابن سہل السرخسی (م ۴۹۰ھ) مطبوعہ مصر، الکتاب العربی (۱۳۷۲ھ) ج ۲، ص ۱۱۰

''قال السرخسی فی اصوله : ولا خلاف بین اصحابنا المتقدمین والمتاخرین ان قول الواحد من الصحابة حجة فیما لامدخل للقیاس فی معرفت الحکم فیه و ذلك نحو المقادیر التی لا تعرف بالرای فانا اخذ نا بقول علی فی تقدیر المهر بعشرة دراهم و اخذنا بقول انس فی تقدیر اقل الحیض بثلاثة ایام و اکثره بعشرة ایام و بقول عثمان بن ابی العاص فی تقدیر اکثر النفس باربعین یوما و بقول عائشة فی ان الولد لا یبقی فی البطن اکثر من سنتین ۔،،

و هذا لان احدا لا یظن بهم المجازفة فی القول ولا یجوز ان یحمل قولهم فی حکم الشرع علی الکذب ۔،،

و ایضاً قال : فان طریق الدین من النصوص انما انتقل الینا بروایتهم و فی حمل قولهم علی الکذب و الباطل قول لفسقهم و ذلك یبطل روایتهم فلم یبق الا الرای او السماع ممن ینزل علیه الوحی ولامدخل للرای فی هذا الباب متعین السماع و صار فتواه مطلقا کروایة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔،،

(۲۷) ''اصول فقه،، علامه بزدوی، مطبوعه کراچی، ص ۲۳۳

(۲۸) اصول فقه، علامه بزدوی، مطبوعه کراچی، ص ۲۳۳

(۲۹) اصول الفقه، علامه بزدوی (م ۴۸۲ھ)، مطبوعه کراچی، صص ۲۳۳ اور ۲۳٦ :

''و قال البزدوی : قال البردعی : تقلید الصحابی واجب یترک به القیاس و قال الکرخی لا یجب تقلیده الا فیما لا یدرک بالقیاس ۔،،

''ثم قال البزدوی (بعدما اثبت الاختلاف فیما یدرک بالقیاس) اما فیما لا یدرک بالقیاس فلا بدمن العمل به حملا لذلك علی التوقیف من رسول الله صلی الله علیه وسلم، لا وجه له غیر هذا الا التکذیب باطل فوجب العمل به لا محالة ۔،،

marfat.com

چنانچہ یہ قاعدہ اصولِ فقہ کے اکثر ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ایسے امور میں جن کا تعلق حکم شرعی سے ہو اور اس میں قیاس جاری نہ ہو تو صحابی کا قول اس کے اپنے اجتہاد کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سماعت پر مبنی خیال کیا جائے گا۔ اگر اس اصول سے اختلاف کیا جائے تو پھر موقوفہ اور مرسلہ احادیث کے سارے ذخیرے سے دست بردار ہونا لازم آئے گا اور اس طرح وہ فقہی مسائل جو ان احادیث موقوفہ یا مرسلہ سے مستخرج ہیں، ان کی بنیاد متزلزل ہوجائے گی۔

احناف کے نزدیک حضرت عائشہ کا قول اس مسئلہ میں ایک اور دلیل کے سبب بھی حجت قرار پاسکتا ہے وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے ''پیدا کیا میں نے تم لوگوں کو بے قدرے پانی سے، پھر کردیا ہم نے اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم میں)، مقررہ‌وقت تک ۔(۳۰) قرآن پاک کی یہ آیت اس امر کے بیان میں ''مجمل،، ہے کہ کب تک بچہ رحم مادر میں رہے گا؟ اور یہ اصول تمام ائمہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا کوئی حکم ''مجمل،، ہو تو اس کی تفسیر یا بیان ''خبر واحد کے ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے البتہ اگر حکم مطلق ہے تو احناف کے نزدیک ''خبر واحد،، کے ذریعہ اس حکم کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک مطلق حکم کی صورت میں بھی ''خبر واحد،، کو اس کی تفسیر یا بیان قرار دے کر حکم کو مقید کیا جا سکتا ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ بالا قول خبر واحد کے درجے میں ہے اور یہ قول مذکورہ بالا آیت میں مذکور ''مجمل حکم،، کی تفسیر یا بیان ہے ۔ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے، کیونکہ مقادیر (شرعی) کا تعین قیاس سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ موقوف علی الوحی ہوتی ہیں ۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محض اپنے قیاس اور رائے سے ''الی قدر معلوم،، کو دو سال سے تعبیر نہیں کر سکتی تھیں، جب تک کہ انھوں نے آنحضرت (صلعم) سے یہ قول نہ سنا ہوتا۔

---

(۳۰) ۷۷ : ۲۰-۲۲ (المرسلٰت)

''الم نخلقکم من ماء مھین ۔ فجعلناہ فی قرار مکین ۔ الی قدر معلوم،،

marfat.com

محاکمہ :

حمل کی زائد سے زائد مدت کے تعین کے مسئلے میں احناف کا یہ موقف اصولی طور پر صحیح ہے کہ وہ امور جن پر قیاس جاری نہیں ہوتا بلکہ خالص شرعی مسائل ہیں اور جن امور میں قرآن و سنت سے کوئی تصریح نہیں پائی جاتی، ان میں صحابی کا قول حجت ہوگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدت حمل کی تعیین ایک طبعی امر ہے ، شرعی نہیں، بلکہ اس پر شرعی احکام جاری ہوں گے۔ فقہاء کرام کا یہ استدلال جن امور پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں وہ تمام امور اگر مقداری ہیں تو ان پر قیاس جاری نہیں ہو گا بلکہ صحابی کا قول کو حجت ماننا پڑے گا، کلی طور پر صحیح نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض مقادیری امور خالص شرعی ہوتے ہیں جیسے تعداد صلوٰۃ و صوم و اوقات صلوٰۃ وغیرہ۔ ان مقادیر میں اصولی طور پر عقل کو کوئی دخل نہیں، اس لیے کہ یہ صرف شارع کی تعلیم پر منحصر ہیں۔ لیکن بعض مقادیری امور طبعی ہوتے ہیں اگرچہ ان پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔ ایسے مقادیری امور جو طبعی ہوں ان کا طریقہ علم مشاہدہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ مدت حمل ایک ایسا ہی طبعی مقدار کا مسئلہ ہے جس کا علم اصولی طور پر مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور جب مشاہدہ کے ذریعہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ہوگئی تو اس پر شرعی احکام کا اطلاق کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے بحالت مرض موت ہبہ کا حکم شرعی۔ یہ ایک حکم شرعی ہے کہ مرض الموت میں واہب کے ہبہ پر احکام وصیت کا اطلاق کیا جائے گا، لیکن کون سا مرض، مرض الموت ہے، یہ علم طب کے ذریعہ معلوم ہوسکتا ہے۔ چونکہ مدت حمل کی مقدار کی تعیین ان امور سے ہے جن کا انحصار مشاہدہ طبعی پر ہے اس لیے ان میں قیاس کو دخل ہے۔ بناء برین اس مسئلہ میں صحابی یا صحابیہ کا قول واجب العمل نہ ہونا چاہئے۔

نتیجۂ فکر :

دراصل اختلاف اس میں ہے کہ مدت حمل کی تعیین کا مسئلہ قیاسی ہے

marfat.com

یا غیر قیاسی۔ بالفاظ دیگر اس کا انحصار عقل، مشاہدہ، تجربہ و علم طب پر ہے یا نہیں۔ احناف اس کو غیر قیاسی امور میں داخل کرتے ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ اس کو ایسے امور میں داخل کرتے ہیں جن میں قیاس کو دخل ہے۔ احناف اس ضمن میں حضرت عائشہ کی حدیث کے سبب اس کو امر شرعی قرار دے رہے ہیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ حضرت عائشہ کی حدیث کو محض ان کی ذاتی رائے قرار دیتے ہیں۔

اسلام اپنے بنیادی اخلاقی تصورات کے تحت بچہ کو صحیح النسب قرار دینے میں معمولی سے معمولی حجت کو بھی گوارا کرتا ہے تاکہ بچے کو اپنے والدین کی صحیح اولاد تسلیم کیا جا سکے۔ اس میں بہت سے سماجی فوائد اور تحفظات مضمر ہیں۔ اسی لیے شرع اسلام میں نکاح فاسد و وطی بالشبہ کو بھی بعض صورتوں میں ثبوت نسب کی حجت قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد "الولد للفراش و للعاہر الحجر" ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقہاء امت نے مسئلے کی تفصیلات مرتب کرنے میں پوری توجہ اس طرف مرکوز کی ہے کہ بچہ صحیح النسب قرار دیا جائے۔ اس پس منظر میں جب ہم زائد سے زائد مدت حمل کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہاء نے بعید الوقوع صورتوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک حمل کی انتہائی مدت کے بارے میں حضرت عائشہ کی محولہ بالا حدیث پر اس مسئلے کا مدار رکھنا ہی انسب اور قرین صواب ہے۔ وضع حمل کی زائد سے زائد مدت دو سال قرار دینے میں مصلحت یہ ہے کہ محض کسی عورت کا ایک سال سے زائد (اور یہ مدت دو سال تک ہو سکتی ہے) مدت میں بچے کو جننا بجائے خود بچے کے لیے غیر صحیح النسبی کے مترادف نہ ہوگا کیونکہ عام مدت میں بچہ کی پیدائش سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں بلکہ غیر معمولی مدت میں پیدائش ایک مسئلہ ہے جو روز مرہ کے واقعات کے خلاف ہے اس لیے اس پر شرعی حکم کی ضرورت لاحق ہو گی۔ البتہ اگر مدت حمل کے مسئلے کو مدرک بالقیاس ہی تسلیم کیا جائے تو پھر ایک سال مدت حمل قرار دینا صحیح ہوگا

marfat.com

لیکن ساتھ ہی یہ امر مسلمہ ہے کہ دو سال میں وضع حمل کے واقعات شاذ ہی دیکھنے میں آتے ہیں ۔ بناء بریں اس خطرے کے سدباب کے لیے کہ ولد الزنا میت کی میراث حاصل نہ کرے باغراض وراثت مدت حمل کو اس پر مشروط کر دیا گیا کہ عورت نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک بالاتفاق اگر کوئی شخص اپنی وفات کے وقت اپنی زوجہ کو حاملہ چھوڑ کر وفات پاجائے تو بچے کے دو سال کے اندر پیدا ہونے کی صورت میں یہ حمل میت کا وارث ہوگا بشرطیکہ عورت نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔ اسی طرح میت کے دوسرے اقرباء بچے کے وارث ہوں گے ۔ لیکن اگر انتہائی مدت حمل سے بھی زائد مدت میں پیدا ہوا، یا عورت نے دو سال کے اندر انقضائے عدت کا اقرارکر لیا تو اب نہ بچہ وارث ہوگا اور نہ میت کی نسبت سے بچے کا کوئی دوسرا قرابت دار اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ امر متحقق ہو جائے گا کہ بچہ موت کے وقت حمل میں موجود نہ تھا اس لیے نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ میراث ملے گی۔ یہ وہ صورت ہے جب کہ بچہ خود میت کی اپنی زوجہ کا ہو اور دونوں کے درمیان موت کے وقت نکاح قائم ہو۔

لیکن میت کی اپنی زوجہ کا حمل نہ ہو بلکہ میت کے ورثاء میں سے کسی کی زوجہ کا حمل ہو۔ مثلاً باپ، دادا، یا کسی دیگر وارث کی زوجہ میت کی موت کے وقت حاملہ تھی اور یہ عورت موت سے پورے چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس صورت میں یہ بچہ میت کا وارث ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ بچہ موت کے وقت بطن مادر میں موجود تھا ۔ لیکن چھ ماہ سے زیادہ مدت میں اس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو احناف کے نزدیک وارث نہ ہوگا، کیونکہ موت کے وقت حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں رہتا ۔ (ہو سکتا ہے کہ حمل میت کی وفات کے بعد ٹھہرا ہو) ۔ مزید برآں اس صورت میں بچے کو میت کی موت کے وقت حمل میں موجود تصور کر لینے کی مجبور کر دینے والی ضرورت بھی موجود نہیں، اس لئے اس کو ورثہ نہیں ملے گا۔ بخلاف اس پہلی صورت کے، کہ وہ میت کی اپنی ذات کا معاملہ تھا اور اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ

marfat.com

میت سے اس کے بچے کا نسب ثابت کیا جائے اور بچے کو ولد الزنا ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اس لیے انتہائی مدت حمل کا اعتبار کر کے اس کی طرف نسبت کی گئی، جب کہ دوسری صورت میں میت کے علاوہ دوسرے کا نسب خود بخود ثابت ہونا چاہئے۔(۳۱)

غیر میت کی زوجہ کا حمل :

احناف کا میت اور غیر میت کی زوجہ کے حمل کی انتہائی مدت میں بہ اغراض وراثت مندرجہ بالا تفریق اصول قیاس پر مبنی ہے۔ اگرچہ غیر میت کی زوجہ کے حمل کا نسب باغراض تعیین نسب میت کے انتقال کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے کے بعد بھی (حمل کی انتہائی مدت، دو سال کے اندر) ثابت ہے مگر باغراض وراثت غیر، احتیاط کی بناء پر ایسے میراث سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس امکان کے پیش نظر ہے کہ مبادا غیر میت کی زوجہ کا حمل (میت) کی وفات کے بعد قرار پایا ہو۔

حمل کے لئے ترکہ کی مقدار:

اس مسئلہ میں کہ حمل کے لیے ترکہ کا کتنا حصہ روکا جائے، ائمہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف نہ صرف امام ابو حنیفہ اور صاحبین بلکہ ائمہ ثلاثہ کے درمیان بھی ہے۔

حنفیہ مسلک :

اس امر میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرے تو حمل کے لیے ترکہ کا کس قدر حصہ روکا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار لڑکے یا چار لڑکیوں میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چار بچوں تک ایک حمل میں پیدا ہونے کا عملی ثبوت ملا تھا۔ امام خصاف نے امام ابو یوسف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بیٹے یا بیٹی کے حصے میں

(۳۱) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۰-۵۱۔

marfat.com

جس کا بھی حصہ زیادہ ہو اسی کو حمل کے لیے روک رکھا جائے۔ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ، جونسا بھی زیادہ ہو، اٹھا رکھا جائے۔ اسی قول کو امام محمد الشیبانی سے بھی روایت کیا گیا ہے۔

امام ابو یوسف کے متذکرہ بالا دو اقوال میں ایک بیٹے یا ایک بیٹی کے حصے میں سے جو حصہ زائد ہو اس کے روکے جانے والا قول اصح ہے اور اسی پر فتوی ہے، کیونکہ اکثر حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے حاملہ بیوی چھوڑ کر وفات پائی اور اس کا ترکہ حمل کے پیدا ہونے سے پہلے تقسیم کیا جائے تو اس صورت میں حمل کو لڑکا یا لڑکی فرض کیا جائے گا جو اس کے حق میں بہتر ہو، یعنی اگر لڑکا فرض کرنے سے اس کو زیادہ حصہ ملتا ہے تو اس کو لڑکا قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا اور اگر لڑکی فرض کر کے زیادہ حصہ ملتا ہو تو اس کو لڑکی قرار دے کر اس کا حصہ محفوظ رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شخص بیوی، بیٹا اور حمل چھوڑکر مرا۔ اگر حمل کو لڑکا فرض کیا جائے تو اس صورت میں بیوی کا آٹھواں حصہ دے کر باقی سات حصوں میں دونوں بھائی شریک ہو جاتے ہیں اور اگر حمل کو لڑکی فرض کیا جائے تو بیوی کا آٹھواں حصہ نکال کر لڑکی باقی سات حصوں میں سے تہائی کی مستحق ہوگی۔ اس صورت میں چونکہ لڑکا فرض کرنے سے زیادہ حصہ ملتا ہے اس لیے حمل کو لڑکا فرض کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف ایک عورت اپنی ماں، شوہر، ایک اخیافی بہن اور ایک سوتیلی ماں کا حمل چھوڑ کر مری اس صورت میں حمل کو لڑکی یعنی علاتی بہن فرض کیا جائے تو ذوی الفروض کی حیثیت سے نصف ترکہ کی مستحق ہوگی اور مسئلہ چھ سے ہو کر آٹھ کی طرف عول کرے گا اور اگر اس کو لڑکا یعنی علاتی بھائی فرض کیا جائے تو عصبہ ہوکر اس سے کم تر حصے کا مستحق ہوگا اس لیے مندرجہ بالا صورت میں حمل کو علاتی بہن فرض کر کے اس کا نصف حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

امام شافعی کے نزدیک حمل کی صورت میں کسی وارث کو حصہ نہ

marfat.com

دیا جائے گا۔ البتہ کسی خاص وارث کو جس کا حصہ حمل کے لڑکے یا لڑکی یا ایک سے زائد ہونے کی صورت میں تبدیل نہ ہوتا ہو دیا جا سکتا ہے۔

دراصل حمل کی صورت میں حصہ روکنے کے لیے دیگر ورثاء کی موجودگی کا لحاظ از بس ضروری ہے کہ وہ کس درجہ کے ورثاء ہیں۔ لڑکے یا لڑکی پیدا ہونے کے سبب ان کے حصوں میں حجب حرمان یا حجب نقصان پیدا ہونے کا امکان پایا جاتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے مطابق ترکہ کی مقدار روک لینی چاہئے۔ لیکن کل ترکہ کی تقسیم کو روکے رکھنا بالعموم منفعت کے مقابلے میں ضرر کا موجب ہوتا ہے البتہ بعض ناگزیر صورتوں میں کل ترکہ بھی روکا جا سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک حمل کے مستحق میراث ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو۔ اس امر کے معلوم کرنے کا طریقہ، کہ حمل زندہ پیدا ہوا ہے، یہ ہے کہ اس کی آواز نکلے، درآن حالے کہ وہ چیختا ہوا ہو یا اس کی چھینک سنی جائے یا انفصال کے بعد اس کے بعض اعضا حرکت کرتے ہوں۔ اگر بچے کے بعض اعضا نکلے درآن حالے کہ وہ حرکت کر رہا تھا تو اگر اس کے اکثر اعضا نکلے تو کہا جائے گا کہ یہ اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے اور اگر کم اعضا نکلے اور ان اعضا میں سے ایک عضو نے حرکت کی تو یہ اس بات کی دلیل نہ ہوگی کہ وہ زندہ تھا۔ اگر آدھے سے زائد زندہ نکلا پھر مرگیا تو وہ وارث ہوگا کیونکہ اکثر کے واسطے کل کا حکم ہوتا ہے۔ بچے کے اکثر حصے یا اقل حصے کی پہچان اس طرح ہوگی کہ بچہ سیدھا پیدا ہوا ہو یعنی پہلے بچہ کا سر برآمد ہوا تو سینہ تک برآمد ہونے پر اکثر حصہ برآمد شدہ مانا جائے گا، اور اس سے کم قلیل درجہ۔ اور اگر پاؤں کی جانب سے برآمد ہو تو ناف تک برآمد ہو جانا اکثر حصہ متصور ہوگا اگر ناف تک ظاہر نہ ہوا تو وارث نہ ہوگا۔(۳۲)

(۳۲) شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۳۳؛
البحر الرائق، ابن نجیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۴ھ، محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۳

marfat.com

حمل کے مردہ پیدا ہونے کی صورت میں میراث نہ دئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وراثت ایک خلافت ہے اور ایک معدوم شخص کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی کا خلیفہ ہوتا ہے، کیونکہ خلافت کا ادنی درجہ ''موجود ہونا،، ہے۔،، اور خلافت اس وقت تک متحقق نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی صفت وجود نہ پائی جائے۔ (اور صفت وجود حیات پر مبنی ہے)۔ چونکہ ایک میت دوسری میت کی خلیفہ (قائم مقام) نہیں ہوسکتی اس لیے وہ حمل جو مردہ برآمد ہوا ہو میت کا وارث نہیں ہوسکتا۔ دراصل حمل کیلئے جو ورثہ رکھا جاتا ہے اس کے لیے یہ اعتبار مآل (نتیجہ) زندگی کا حکم عطا کیا جاتا ہے۔ جب نتیجہ میں وہ مردہ برآمد ہو تو نتیجہ کا اعتبار کرتے ہوئے میت کا وارث نہ ہوگا۔

لیکن جب حمل مردہ برآمد ہو تو وہ اس وقت وارث نہ ہوگا جب کہ جنین بطن مادر سے خود جدا ہوا ہو۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ میں اس طرح ضرب پہنچائی گئی جس سے اس کا حمل (جنین) ساقط ہوگیا ہو اور وہ حمل (جنین) مادر سے جدا کیا گیا تو منجملہ وارثوں کے قرار دیا جائے گا، کیونکہ شرع نے اس ضرب پہنچانے والی پر تاوان واجب کیا ہے اور تاوان کا واجب ہونا اسی وقت ہوتا ہے کہ جب زندہ پر جنایت کی جائے۔ مردہ پر جنایت کا تاوان واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب اس کے زندہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اس کو میراث ملے گی اور اس کا حصہ (بوجہ مرگ) اس کے وارثوں میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح کہ اس کی جان کا بدلہ (دیت) اس کے وارثوں کے واسطے اس کی میراث قرار پاتا ہے۔(۳۳)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

ہر سہ ائمہ کے نزدیک وراثت حمل میں احناف کی مانند زندہ متولد ہونا شرط ہے، لیکن ان سب حضرات کے نزدیک اس وقت زندہ تصور کیا جائے گا

(۳۳) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۹-۵۰
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، جلد دوم محولہ بالا، صص ۳۲۰-۳۲۱

marfat.com

جب کہ پورے طور پر بطریق معمول روتا اور چلاتا ہوا پیدا ہوا ہو۔ محض بعض اعضا کے ظاہر ہونے اور آواز نکلنے پر زندگی اور وراثت کا حکم نہ دیا جائے گا۔

حمل کے لیے حصہ روک لینے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ اختلاف حصہ کی مقدار میں ہے۔ امام شافعی کی اس روایت کے مطابق جو ابن ربیع سے منقول ہے چار بچوں کے حصے کی مقدار روکی جائے گی اور دوسری روایت کے مطابق اگر حمل کے ماسوا میت کا کوئی دوسرا وارث ایسا موجود ہے جو ایسے حصہ کا مستحق ہے جو ناقابل تغیر ہے تو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ روک لیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہے جس کا حصہ مقرر نہیں ہے تو کل ترکہ حمل کے پیدا ہونے تک روک رکھا جائے گا۔(۳۴)

امام مالک امام شافعی سے متفق ہیں (۳۵) امام احمد کے نزدیک اگر لڑکوں کا حصہ ترکہ سے زیادہ مقدار میں نکلتا ہو تو دو لڑکوں کا حصہ روک لیا جائے گا اور اگر لڑکیوں کے حصے کی مقدار زیادہ ہو تو وہ روک لیا جائے گا۔(۳۶)

ظاہریہ مسلک :

ظاہریہ کے نزدیک جو بچہ مورث کی موت کے بعد پیدا ہوا اس کی حیات جس طرح سے بھی ثابت ہو وہ وارث ہوگا، خواہ اس کا زیادہ حصہ زندہ پیدا ہوا ہو یا بعض قلیل حصہ، خواہ آواز نکلی ہو یا نہ نکلی ہو۔ چھینک آئی ہو یا نہ آئی ہو، بلکہ صرف آنکھ یا ہاتھ یا جسم کے کسی عضو کی حرکت جو زندگی کا ثبوت بہم پہونچاتی ہو تمام حالات میں بچہ وارث ہوگا اور مورث بھی۔(۳۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک جب کہ بچہ زندہ ہو یا کسی دست اندازی

---

(۳۴) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۹۷ - ۱۹۰ (ماخوذ) المہذب (فقہ شافعی)، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲

(۳۵) جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ص ۳۳۹

(۳۶) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۹۰

(۳۷) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۷۶

marfat.com

کے بغیر یا دست اندازی کی بنا پر ساقط ہوا اور پیدا ہونے کے بعد زندوں جیسی حرکت کی تو تمام صورتوں میں وارث ہوگا، البتہ اگر نصف زندہ ہو اور نصف مردہ حالت میں تو وارث نہ ہوگا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ بچے کے جسم میں ایسی حرکت ہوئی ہو جیسی ایک مذبوح کے جسم میں ذبح ہونے کے بعد واقع ہوتی ہے (یعنی پھڑکنا) تب بھی وارث نہ ہوگا۔(۳۸)

اسلامی ممالک کے قوانین میں ترکہ کی مقدار کا تعین:

مصر کے قانون میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ حمل کے لیے لڑکے یا لڑکی کا، دونوں کے حصوں میں جو زیادہ ہو وہ حصہ روکا جائے گا۔(۳۹) باغراض وراثت مصری قانون میں میت اور غیر میت کے حمل کی مدت میں فرق رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگر حمل میت کی زوجہ کا ہے تو ولادت حمل کی آخری مدت مورث کی وفات یا تفریق سے ۳۶۵ دن مقرر کی گئی ہے جب کہ غیر میت کی زوجہ کی ولادت حمل کی مدت معتدہ ہونے کی صورت میں ۳۶۵ دن اور حالت زوجیت میں مورث کے یوم وفات سے ۲۷۰ دن مقرر کی گئی ہے(۴۰)

معمولی لفظی تغیر کے ساتھ تقریباً یہی قانون شام، تیونس اور مراکش میں بھی رائج ہے۔ شام کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت میراث پانے کے لیے انھیں شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے جو ثبوت نسب کے لیے لازمی ھیں جن کا ذکر قانون الاحوال الشخصیہ کتاب ثالث کے باب اول کی دفعات ۱۲۸

(۳۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۴، ص ۱۹۷

(۳۹) قانون المواریث، مصر، ۷۷، بابت ۱۹۴۳ع، دفعہ ۴۲
''یوقف للحمل من ترکة المتوفی اکثر النصیبین علی تقدیر انه ذکر اوانثی۔''
''اذا توفی الرجل عن زوجته او عن معتدته فلا یرثه حملها الا اذا ولد حیا لخمسة و ستین و ثلثمائة یوم علی الاکثر من تاریخ الوفاة اوالفرقة۔''

(۴۰) قانون المواریث، مصر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء دفعہ ۴۳: ولا میراث للحمل غیرابیه الا فی الحالتین: اولی، ان یولد حیا لخمسة و ستین و ثلثمائة یوم علی الاکثر من تاریخ وفاة المورث اثناء العدة۔ الثانیة، ان یولد حیا لسبعین ومائتی یوم علی الاکثر من تاریخ وفاة المورث ان کان من زوجیة قائمة وقت الوفاة''

تا ۳۳۱ میں کیا گیا ہے جن کے تحت انتہائی مدت حمل ایک سال ہے۔(۳۱)
مذکورہ ممالک کے قوانین کی متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :-

مصری قانون :

دفعہ ۴۲۔ متوفی کے ترکہ سے مرد یا عورت وارث کے حصوں میں سے جو حصہ مقدار میں زیادہ قرار پاتا ہو وہ حمل کے لیے محفوظ کرلیا جائے گا۔

دفعہ ۴۳۔ جب کوئی شخص اپنی زوجہ یا معتدہ کو چھوڑ کر فوت ہوگا تو اس کا حمل اس حالت میں وارث ہوگا جب کہ وفات یا فرقت کی تاریخ سے زائد ۳۶۵ یوم مین زندہ پیدا ہوجائے، اور حمل اپنے باپ کا حسب ذیل دو حالتوں میں وارث ہو سکے گا:

(اول) یہ کہ حمل تاریخ موت یا فرقت سے ۳۶۵ کے اندر زندہ پیدا ہو جب کہ اس کی ماں معتدۂ وفات یا معتدۂ فرقت ہو، اور معتدہ فرقت کے حمل کی صورت میں مورث عدت کے درمیان وفات پاگیا ہو۔

(دوم) یہ کہ ۲۷۰ یوم میں تاریخ وفات مورث سے منکوحہ زوجہ غیر کے پیدا ہوا ہو، جس کا نکاح بوقت وفات قائم ہو۔

دفعہ ۴۴۔ اگر وہ حصہ جو حمل کے لیے محفوظ کیا گیا تھا اس کے لئے کم ثابت ہو تو اس کے مکمل کرنے کے سلسلے مین اس وارث کی جانب رجوع کیا جائے گا جس کا حصہ دیگر ورثاء کے مقابلے مین زائد ہو۔ اور جب محفوظ کیا ہوا حصہ زائد ثابت ہو تو زائد حصہ اس وارث کو دیا جائے گا جو اس زائد کا مستحق ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۹۹۔ حمل کے لیے متوفی کے ترکے سے مرد و عورت کے حصے سے جو بڑی مقدار کا حصہ ہو وہ روک لیا جائے گا۔

---

(۳۱) قانون الاحوال الشخصیہ، شام ۱۹۵۳ء، دفعات ۳۰۱-۲۹۹
تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب ''مجموعہ قوانین اسلام'' جلد سوم، ۱۹۶۹ء
ص ۸۶۳-۸۶۶ اور ۸۵۶

marfat.com

دفعہ ۳۰۰ - جب کوئی شخص اپنی زوجہ چھوڑ کر یا معتدہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس زوجہ کا حمل اس وقت تک وارث نہ ہوگا جب تک کہ وہ قانون ہذا کے ثبوت نسب کے شرائط کے ساتھ زندہ نہ پیدا ہو جائے۔

دفعہ ۳۰۱ - (۱) حمل پیدا ہونے کے بعد جب اس حصہ سے زیادہ کا مستحق ثابت ہو جو اس کے لیے روک رکھا گیا تھا تو وارثوں میں سے جس کو زیادہ مقدار کا حصہ ملا ہو، اس کے حصہ سے حمل کا حق پورا کیا جائے گا۔

(۲) اور جب روک رکھا گیا حصہ زیادہ ہو تو زائد کو مستحق وارث پر لوٹا دیا جائے گا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۴۷ - حمل کے لیے میت کے بیٹے یا بیٹی کے حصہ میں سے جو زائد ہو وہ حصہ روک لیا جائے گا، جب کہ حمل ورثاء کے ساتھ وراثت میں شریک ہو یا ان کے لیے حاجب بہ حجب نقصان ہو، لیکن اگر حجب حرمان کا سبب ہو تو پورا ترکہ محفوظ رکھا جائے گا، تقسیم نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۸ - جب حمل وراثت میں شریک ہو یا حجب نقصان کا سبب ہو تو جس وارث کا حصہ فرض متغیر نہیں ہوتا اس کو، اس کا حصہ دے دیا جائے گا، اور جس وارث کا حصہ زائد سے کم کی جانب متغیر ہوتا ہو اس کو اس کم درجہ کا دیا جائے گا، اور حمل کی مذکورہ دو حالتوں میں جو وارث ساقط ہوتا ہو وہ محروم کر دیا جائے گا۔

دفعہ ۱۴۹ - جب کہ عورت حمل کی دعویدار ہو اور ورثاء اس کی تکذیب کرتے ہوں تو اس معاملے کو اطباء ماہرین کے سپرد کردیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵۰ - جب کوئی شخص اپنے بعد زوجہ یا معتدہ چھوڑے تو اس کا حمل اس وقت وارث ہوگا جب کہ مدت معروفہ میں وضع (حمل) ہو جائے۔

اور حمل مسطورۂ ذیل دو حالتوں کے علاوہ اپنے باپ کے غیر کا وارث نہ ہوگا :

marfat.com

(اول) یہ کہ باپ کی موت یا فرقت کے وقت سے ۳۶۵ یوم میں زندہ پیدا ہوا ہو، بشرطے کہ اس کی ماں معتدہ موت یا معتدہ فرقت ہو اور مورث (معتدۂ فرقت کی حمل کی صورت میں) عدت کے دوران وفات پا گیا ہو۔(۳۲)

(دوم) یہ کہ مورث کی وفات کے بعد زائد سے زائد ۲۷۰ یوم میں پیدا ہو اور زوجیت کا تعلق بوقت وفات قائم ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۸ - بچہ جب آواز نکالتا ہوا پیدا ہو گا وارث ہو گا، ورنہ وارث نہ ہوگا۔

مفقود کی میراث

۲۹۳ - مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی موت و زیست کی کوئی اطلاع نہ ہوسکے حمل کی طرح اس کا حصہ میراث اس کے لئے روک رکھا جائیگا۔

۲ - اگر حاضر ورثاء میں سے مفقود کسی کے لئے حاجب ہوتا ہے تو کل مال تقسیم سے روک رکھا جائیگا اور اگر کسی کے لئے حجب حرمان کا سبب نہیں ہوتا تو ہر وارث کو مفقود کے حصہ کے بقدر کم کر کے تقسیم کیا جائیگا۔

۳ اگر مفقود کی حیات ثابت ہو جائے اور وہ زندہ واپس آ جائے تو اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے گا۔

۴ جب کہ اس کی موت کا حکم دے دیا جائے تو مفقود کا وہ حصہ اس کے ان موجودہ ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا جو موت کے حکم کے وقت موجود ہوں گے موت کا حکم دینے سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہو چکا ہوگا وہ وارث ہوگا۔

تشریح

وہ گم شدہ شخص جس کی زندگی اور موت کا تلاش کے باوجود کوئی پتا نہ چل سکا ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ یعنی اس کا زندہ یا مردہ

(۳۲) تونس کے قانون کی مذکورہ دفعہ ۵۰ قانون مصر کے مطابق ہے ملاحظہ ہو مجلۃ الاحوال الشخصیۃ تونس ۱۹۵۶ء)۔

marfat.com

ہوتا کچھ معلوم نہ ہو یا دشمن گرفتار کرکے لے گیا ہو یا شکار میں نکلا اور پھر کچھ پتا نہ چل سکا ہو مفقود کی تعریف میں داخل ہے۔ (۴۳)

امام سرخسی نے اپنی مشہور تصنیف ''المبسوط،، مین لکھا ہے کہ مفقود کی حیثیت ایک ایسے بچے کی مانند ہے جو ابھی رحم مادر میں ہو۔ جس کی زندگی اور موت میں تردد ہوتا ہے کہ آیا زندہ ہے یا مردہ۔(۴۴)

مفقود کی میراث کے مسئلے کی فقہی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں زندہ تصور کیا جاتا ہے لیکن دوسرے کے مال کے حق میں اس کو مردہ تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی مفقود کے مال میں اس وقت تک تصرف نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کی زندگی یا موت کا یقینی علم نہ ہو جائے۔ لیکن اگر شخص مفقود کا کوئی مورث مر جائے تو متوفی کے مال سے مفقود کا حصہ نکال کر بطور امانت رکھدیا جائے گا، جس طرح کہ حمل کا حصہ رکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مفقود کی حیات درجہ علم مین ہے اور جو اس علم کے درجے میں ہو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کو اسی علم کی حالت پر باقی رکھا جائے۔ مفقود کی حیات کا حکم استصحاب حال کے قاعدے ''ابقاء ما کان علی ما کان،، پر دیا گیا ہے۔ یعنی جو چیز (مشاہدے اور احساسات میں) جس حالت پر تھی جب تک اس کے خلاف یقینی ثبوت نہ مل جائے اس کو سابقہ حالت ھی پر تصور کیا جائے گا۔ چونکہ وہ شخص مفقود ہونے کے وقت زندہ رہ کر غائب ہوا تھا اس لیے اسی حالت پر باقی رھنا تصور کیا جائے گا۔ استصحاب حال دفع ضرر کی حجت تو ہو سکتا ہے لیکن کسی ایسے امر کے ثابت کرنے کی حجت نہیں ہوتا، جو پہلے ثابت نہ ہو۔ اس لیے قاعدہ شرعی ''ابقاء ما کان علی ما کان،، کے تحت مفقود اپنے مملوکہ مال مین زندہ تصور کیا جائے گا۔ البتہ دوسرے کے مال مین اس کی حیات ثابت نہ ہوگی۔ استصحاب مستحق ہونے کے ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتا، بلکہ دفع ضرر کی دلیل ہوتا ہے۔ چونکہ مفقود کی موت

(۴۳) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۷

(۴۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۵
الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۸-۱۳۷

marfat.com

و حیات محتمل ہے اس وجہ سے دوسرے کے مال میں اس کا حصہ بنظر احتیاط امانت کے طور پر رکھا جائے گا اور زیر تقسیم نہ لایا جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مفقود چھوڑکر فوت ہو گیا اور ترکہ دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے اور اس مفقود لڑکے کی اولاد میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بھی موجود تھا نیز ان تمام ورثاء کو اس مفقود کے مفقود ہونے کا اقرار تھا، ان تمام لوگوں نے حاکم عدالت کے سامنے وراثت کا دعوی پیش کیا، حاکم عدالت کے لیے یہ امر جائز نہ ہوگا کہ میت کی بیٹیوں کے قبضہ سے لے کر اس کوتقسیم کردے بلکہ مفقود کا متروکہ نصف بیٹیوں کے قبضہ میں بطور ملکیت رہے گا اور باقی نصف مفقود کی ملکیت تصورکرتے ہوئے ان کے پاس بطور امانت رکھدیا جائے گا اگر مفقود زندہ ثابت ہو تو یہ حصہ اس کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کی حقیقی یا حکمی موت واقع ہوگئی تو اس باقی ماندہ (نصف) میں سے ۱/۶ لے کر دو بیٹیوں کو دیا جائے گا تاکہ تکملۃالثلثین ہو بقیہ ایک تہائی مفقود کی اولاد میں ''للذکر مثل حظ الانثیین،، کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔(۳۵) یہاں دو بیٹیوں کو ۱/۶ اس لیے دیا جا رہا ہے کہ مفقود کے بارے میں یوم دعوی سے سب کا اقرار ہے کہ وہ مفقود ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس کی موت کا حکم کب دیا جائے گا۔

حنفی مسلک:

مفقود کی موت کے حکم کے سلسلہ میں احناف کی ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کی موت کا حکم اس وقت دیا جائے گا جب اس کے ہمعصر و ہم زماں لوگوں میں سے کوئی شخص زندہ نہ رہا ہو۔ ایک روایت ایک سو بیس سال گزرجانے کی ہے اور دوسری سو سال گزرجانے کی ہے لیکن صحیح و مشہور ظاہر روایت یہی ہے کہ جب اس کے ہم عصر مر جائیں تو اس کی موت کا حکم دیا جائے گا۔ چنانچہ جب مفقود کی موت کا حقیقی معنی میں علم ہو جائے یا عدالت کی جانب سے استقرار یہ حکم دے دیا جائے تو اس کی میراث

---

(۳۵) شرح المجلۃ، الاتاسی، خالد، مطبوعہ حمص، ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء ج ۱، ص ۲۱

کا وہ حصہ جو روک رکھا گیا تھا اس کے ان وارثوں میں تقسیم ہوگا جو بوقت تیقن یا حکم موت موجود ہوں۔ اس حقیقی علم یا حکم عدالت سے پہلے ورثاء میں سے جو لوگ مر چکے ہوں ان کا اس ترکہ سے کوئی تعلق نہ ہو گا، کیونکہ توریث میں یہ شرط ہے کہ مورث کی موت کے بعد وارث زندہ موجود ہو۔ لہذا مفقود کی موت کا جس وقت یقینی علم ہوا یا حکم دیا گیا اس وقت جو وارث زندہ ہوں گے وہ ترکہ کے مستحق ہوں گے۔(۳۶)

مالکی و شافعی مسلک :

امام مالک و امام شافعی کا بھی اس حکم میں احناف سے اتفاق ہے کہ مفقود کا مال اس وقت تقسیم نہ کیا جائے گا جب تک اس کی یقینی یا حکمی موت ثابت نہ ہو جائے۔

حنبلی مسلک :

امام احمد ابن حنبل کے نزدیک ایسے حالات میں جن کے تحت مفقود کی ہلاکت کا غالب احتمال ہوتا ہے مثلاً جنگ کی صفوں میں شامل ہونے والا، یا ایسی جماعت میں شامل ہونے والا جس کی ہلاکت مجموعی طور پر واقع ہوگئی ہو یا جہاز ڈوب گیا ہو اور وہ اس میں سفر کر رہا ہو یا کسی ایسے جنگل یا بن میں گیا ہو جہاں لوگ بالعموم ہلاک ہوجاتے ہوں وغیرہ وغیرہ، ایسے مفقود کا چار سال تک انتظار کرنے کے بعد اس کا مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔(۳۷) لیکن وہ شخص اگر ایسے حالات میں مفقود ہوا ہے جن میں ہلاکت کا احتمال غالب نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں امام احمد ابن حنبل سے متعدد روایات منقول ہیں :-

(۱) یہ کہ موت کے ثبوت تک مال تقسیم نہ کیا جائے جیسا کہ دیگر ائمہ کا مذہب ہے۔

---

(۳۶) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۵۴-۵۵
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۸-۱۳۷
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۳۲۰

(۳۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۰۵

marfat.com

(۲) یہ کہ ولادت کے وقت سے ۹۰ سال کی مدت تک انتظار کیا جائے گا، اور

(۳) یہ کہ موت کا تعین حاکم وقت کی صواب دید پر موقوف ہوگا۔(۴۸)

شیعہ امامیہ کا مسلک :

شیعہ امامیہ (اثناء عشریہ) کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے کہ جب تک موت کا یقینی علم نہ ہو اس وقت تک مفقود اپنے مال کا مالک ہوگا اور اس کے مال میں وصیت و دیگر تاوانوں کی ادائیگیاں جو اس کے ذمہ ہوں، کی ایک مد ہے جاتی رہیں گی۔(۴۹)

ظاہریہ مسلک :

ظاہریہ مذہب حنفیہ، مالکیہ و شافعیہ کے موافق ہے۔(۵۰)

چند نئی صورتیں :

مفقود کے مسئلہ میں بعض ایسی صورتیں بھی پیش آسکتی ہیں کہ ایسے خرکار پکڑ کر لے جائیں، یا وہ شخص اپنی یاد داشت کھو بیٹھے یا کسی نفسیاتی یا سماجی دباؤ کے بڑھ جانے کے سبب خود کو روپوش رکھے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں پاکستان میں قانون سازی کی جائے۔ فی الوقت فسخ نکاح کے سلسلہ میں ۴ سال کی مدت مقرر ہے لیکن فسخ نکاح اور تقسیم ترکہ کے باب میں فرق ملحوظ رکھنا ہوگا،کیونکہ ان دونوں مسئلوں کی تہ میں جو سماجی عوامل کار فرما ہوتے ہیں وہ مختلف ہیں۔ حکومت کی بہرحال یہ ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ مفقود شہری کا کھوج لگانے کے لیے سرگرمی کے ساتھ اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرے۔

---

(۴۸) المحرر فی فقہ الحنبلی، ابو البرکات (م ۶۵۲ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹۵۰ء، ج ۱، ص ۴۰۶
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۶-۲۰۵
جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۲۹

(۴۹) الاستبصار، جعفر محمد بن الحسن طوسی (م ۴۶۰ھ)، مطبوعہ نجف، ج ۴، ص ۱۹۷

(۵۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۴۹۳

marfat.com

اسلامی ممالک میں مفقود کی میراث کا قانون :

مصر کے قانون المواریث نمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ء کی دفعہ ۴۵ کے تحت مفقود کی میراث کے بارے میں قرار دیا گیا ہے کہ مفقود کے واسطے مورث کے ترکہ میں سے اس کا حصہ روکا جائے گا۔ جب وہ زندہ آ موجود ہو تو اپنا حصہ لے لے گا اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا ہو تو اس کا حصہ ان ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا جو اس کی موت کے وقت موجود ہوں۔ موت کے حکم کے بعد اگر وہ آ جائے تو اس کا جو حصہ ورثاء کے پاس بچ گیا ہو وہ اس کو لینے کا مستحق ہوگا۔(۵۱)

یہی قانون ملک شام میں رائج ہے (۵۲) البتہ تونس کے رائج الوقت قانون کے تحت ہر وہ شخص جس کی خبر منقطع ہوجائے اور اس کے متعلق یہ معلوم ہونا ممکن نہ ہو کہ وہ زندہ ہے، اس کے بارے میں مفقود الخبر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

تونس کے قانون میں مزید قرار دیا گیا کہ جب کوئی شخص بوقت جنگ یا استثنائی (غیر معمولی) حالات میں مفقود ہوجائے تو اس کے لئے غالب گمان یہ کیا جائے گا کہ وہ مرگیا۔ پس اگر حاکم کوئی مدت (اس کے لوٹ آنے کی مقرر کرے تو وہ مدت دو سال سے متجاوز نہ ہو گی۔ پھر اس کو حاکم عدالت مفقود الخبر قرار دے گا اور اگر کوئی شخص ان حالات کے علاوہ مفقود ہو جائے تو اس کی موت کا مسئلہ حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے گا جو نشر واشاعت کے تمام ذرائع اختیار کر کے تحقیق کرنے کے بعد فیصلہ کرے گا کہ وہ مفقود زندہ ہے یا مردہ۔(۵۳) متعلقہ دفعات حسب ذیل ہیں :۔

---

(۵۱) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴۵
''یوقف للمفقود من ترکة مورثه نصیبه فیها فان ظهر حیاً اخذه۔ و ان حکم بموته رد نصیبه الی من یستحقه من الورثة وقت موت مورثه، فان ظهر حیاً بعد الحکم بموته اخذ ما بقی من نصیبه با یدی الورثة۔''

(۵۲) قانون الاحوال الشخصیة، شام، ۱۹۵۳ء، دفعہ ۳۰۲

(۵۳) مجلة الاحوال الشخصیة، تونس، فصل ۸۱
'یعتبر مفقوداً کل من انقطع خبره ولم یمکن الکشف عنه حیاً'
''اذا فقد الشخص فی وقت الحرب او فی حالات استثنائیة یغلب فیها الموت فان الحاکم یضرب اجلا لا یتجاوز العامین للبحث عنه ثم یحکم بفقدانه و اذا فقد الشخص فی غیر تلک الحالات فیفوض امره التی یحکم بموت المفقود بعد ها الی الحاکم بعد التحری بکل الطرق الموصلة الی معرفة ان کان المفقود حیاً اومیتا۔'' (فصل ۸۲)

marfat.com

مصری قانون :

دفعہ ۴۰ ۔ مفقود کے لیے اس کے مورث کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا ۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا یہ حصہ حاصل کرلے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ شدہ حصہ اس کے ان ورثاء کے جانب لوٹا دی جائے گا جو مورث کے موت کے وقت موجود تھے ۔ اب اگر موت کے حکم کے بعد وہ زندہ ظاہر ہوا تو جتنا ترکہ ورثاء کے پاس باقی موجود ہوگا حاصل کر لے گا ۔

شام کا قانون :

دفعہ ۳۰۲ ۔ (۱) مفقود الخبر کے لیے اس کے مورث کے ترکے میں سے اس کا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا ۔ اگر وہ زندہ ثابت ہوا تو اپنا محفوظ شدہ حصہ حاصل کرلے گا، لیکن اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اب اس کے مورث کی موت کے وقت جو اس کے ورثاء تھے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا ۔

(۲) اگر مفقود حکم موت کے بعد زندہ ثابت ہو گیا ، تو جتنا حصہ باقی ہوگا میت کے ورثاء سے وصول کر لیا جائے گا ۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۱۵۱ ۔ مفقود کے لیے اس کے مورث کے ترکہ سے اس کا اپنا حصہ روک رکھا جائے گا، اگر زندہ ثابت ہوا تو حاصل کرلے گا، اور اگر اس کی موت کا حکم دے دیا گیا تو اس کا محفوظ حصہ ان دیگر ورثا کی جانب رد کر دیا جائے گا جو مورث کی موت کے وقت اس کے مستحق ہوں گے ۔ اب اگر حکمی موت کے بعد مفقود زندہ ظاہر ہوا تو وہ جس قدر حصہ ورثاء کے قبضہ میں باقی ہوگا حاصل کرلے گا ۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۰ ۔ مفقود خبر کے حق میں زندہ متصور ہوگا لہذا اس کا مال اس وقت

marfat.com

تک اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم نہ کیا جا سکے گا جب تک حاکم اس کی موت کا حکم نافذ نہ کردے، اور اپنی ذات کے حق میں مفقود مردہ متصور ہوگا، لہذا کسی دوسرے (مورث) کا وارث نہ ہوگا، اس کا حصہ اس کی حیات کے متحقق ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا۔

اسیر کی میراث

۲۹۳ - (۱) کوئی مسلمان جو کفار کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے - اس کے واپس آنے تک اس کا حصۂ میراث محفوظ رکھا جائے گا۔

(۲) اگر زندہ واپس نہ آیا تو اس کا حصۂ محفوظ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

(۳) اگر مرتد ہو گیا تو اس کے مال پر مرتد کے احکام مرتب ہونگے

تشریح

احناف کے نزدیک مسلمان اسیر جو کافروں کی قید میں ہو اس کی میراث کا وہی حکم ہے جو عام مسلمانوں کی میراث کا ہے جب تک کہ اس نے اپنا دین نہ چھوڑا ہو، اور اگر اس نے دین اسلام چھوڑ دیا تو اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کی میراث کا ہے۔

اگر اس کا مرتد ہونا یا زندگی یا موت کا کوئی حال معلوم نہ ہوا ہو تو اس کا حکم مثل مفقود کے ہے۔ (۵۴)

امام مالک کے نزدیک تمام حالات میں اسیر کی موت یا ارتداد کے وقت تک مال موقوف رکھا جائے گا۔(۵۵)

امام شافعی کے نزدیک اسیر اور مفقود کا ایک حکم ہے۔(۵۶)

---

(۵۴) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۲

(۵۵) مدونۃ، امام سحنون (م ۲۴۰ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۳ھ، جلد ۸، ص ۱۳۸

(۵۶) المہذب (فقہ شافعی)، ابی اسحاق الفیروزآبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶

marfat.com

امام احمد بن حنبل اس حکم میں احناف سے متفق ہیں کہ مسلم اسیر دیگر وارثوں کی طرح وارث ہوگا۔(۵۷)

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کی میراث

۲۹۵ - ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں کے اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہونگے اور یہ عورت (ماں) اس کی اور اس کے قرابت داروں کی وارث ہوگی - باپ یا اس کے قرابت داروں سے میراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

تشریح

ولد الزنا اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان بلا رشتہ ازدواج ، زنا (بد فعلی) کا نتیجہ ہو۔ جب کہ ولد الملاعنہ اس اولاد کو کہتے ہیں جو مرد کے اپنی زوجہ پر تہمت لگانے اور اور عورت کے انکار کرنے کی صورت میں لعان کے بعد موجود ہو۔ شافعیہ کے نزدیک نفس لعان سے اور حنفیہ کے نزدیک لعان کے سبب قاضی کے دونوں میں تفریق کرادینے سے بچہ کا نسب شوہر سے منقطع ہوکر ماں کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ لعان کرنے والی عورت کا بچہ گویا بغیر باپ کے ہوتا ہے۔ یہی صورت ولد الزنا کی ہے۔ لہذا ولد الملاعنہ اور ولد الزنا کے عصبہ بھی اس کی ماں کے قرابت دار ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں سے میراث پاتے ہیں۔ اسی بناء پر ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کی میراث میں اس کا باپ یا اس کے باپ کے قرابت دار شریک و سہیم نہیں ہوسکتے۔(۵۸)

ولدالزنا اور ولدالملاعنہ میں فرق :

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں حکماً یہ فرق کیا گیا ہے کہ ولد الزنا کا باپ جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے شرعاً بحق میراث اس کا باپ نہ ہوگا،

(۵۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۳۱

(۵۸) خزانة الفقہ، ابواللیث سمرقندی ج ۱، مطبوعہ بغداد، ج ۱، ص ۳۱۲
المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۲۰-۱۲۱

خواہ وہ اس کا باپ ہونے کا مدعی ہو، لیکن ولد الملاعنہ کا باپ اگر اس کے باپ ہونے کا مدعی ہو تو شرعاً نسب ثابت اور باہم میراث قائم ہو جائے گی۔

ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں ایک اور دقیق فرق یہ ہے کہ اگر ولد الزنا جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الزنا اپنے توام سے اخیافی بھائی کی میراث پاتا ہے، یعنی چھٹا حصہ پائے گا اور اگر ولد الملاعنہ جڑواں (توام) پیدا ہوئے تو ولد الملاعنہ اپنے توام سے عینی بھائی کی میراث پائے گا۔(۵۹)

اس کی علت یہ ہے کہ ولد الزنا کے واسطے شرعاً باپ ہی قرار نہیں دیا گیا اس لیے اس کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن صرف مادری ہوگا، جب کہ ولد الملاعنہ کے حق میں دنیاوی احکام میں زنا کی تہمت جائز نہیں، کیونکہ لعان کا مدار آخرت پر رکھا گیا ہے۔ (یعنی اللہ تعالی آخرت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا) اس لیے ولد الملاعنہ کا جڑواں (توام) بھائی یا بہن ایک ہی باپ سے ہے اگر چہ باپ سے نسب کا سلسلہ منقطع کردیا گیا ہے (۶۰)۔

شیعی فقہ میں ولد الزنا کا ورثہ:

شیعی فقہ میں ولد الزنا کو ورثہ میں مطلقاً کوئی حق نہیں ہے حتی کہ وہ ماں اور ماں کے قرابت داروں تک کا بھی وارث نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا کوئی وارث ہو سکتا ہے۔(۶۱) شیعہ مسلک اصول فقہ و دنیاوی مصالح کے خلاف نظر آتا ہے۔

اسلامی ممالک میں رائج الوقت قانون:

قانون المواریث مصرنمبر ۷۷ بابت ۱۹۴۳ع کے تحت ولد الزنا اور ولد اللعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ماں اور اس کے قرابت

(۵۹) الاختیار لتعلیل المختار، عبد اللہ بن محمود بن مودود، محولہ بالا، ج ۵، ص ۹۰
فتاوی عالمگیری، شیخ نظام الدین، محولہ بالا، مطبوعہ دیوبند، ج ۴، ص ۵۰۰

(۶۰) البحر الرائق، ابن نجیم، محولہ بالا، ج ۸، ص ۱۱۹
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۳۸

(۶۱) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۹۵

marfat.com

دار بھی ان کے وارث ہوں گے۔(۶۲) یہی قانون شام و تونس میں رائج ہے۔(۶۳) متعلقہ دفعات قانون حسب ذیل ہیں:

مصری قانون:

دفعہ ۴۷۔ دفعہ ۴۳ کے آخر فقرے کے اعتبار سے جو مدت مقرر ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور ان دونوں کے وارث ان کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے۔

شام کا قانون:

دفعہ ۳۰۳۔ دفعہ (۳۰۰) کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے جو مدت مقرر کی گئی ہے، ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کے قرابت داروں کے وارث ہوں گے، اور اسی طرح ان کے وارث ان کی ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے۔

تونس کا قانون:

ولد زنا اپنی ماں اور ماں کے قرابت داروں کا وارث ہوگا اور اس کے وارث اس کی ماں اور اس کے قرابت دار ہوں گے۔

مراکش کا قانون:

دفعہ ۲۲۹۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد لعان و ولد زنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

خنثیٰ کی میراث

۲۹۶ - (۱) خنثیٰ اگر مرد ہے تو اس کو مرد کا حصہ میراث دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو اسے عورت کا حصہ میراث دیا جائے گا۔

(۲) اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثیٰ مرد ہے یا عورت تو اگر مرد قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ میراث ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیا جائے گا۔ اور اگر عورت قرار دینے کی صورت میں اسے کم حصہ ملتا ہے تو اسے عورت قرار دیا جائے گا۔

---

(۶۲) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴۷

(۶۳) مجلۃ الاحوال الشخصیہ، تونس، ۱۹۵۶ء، الفصل ۱۵۲

تشریح

خنثیٰ کے لغوی معنی ''نرمی اور سڑاؤ'' کے ھیں۔ اصطلاحاً وہ شخص خنثیٰ کہلاتا ھے جو پیدائشی طور پر مرد و عورت کے آلہ تناسل رکھتا ھو یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ رکھتا ھو۔ پہلی صورت میں تمام ائمہ متفق ھیں۔ البتہ دوسری صورت میں شیعہ فقہاء کے نزدیک ایسا شخص خنثیٰ نہیں بلکہ ''قوع'' کہلائے گا۔ دونوں آلات رکھنے کی صورت میں اگر مرد کے آلہ سے پیشاب آتا ھو تو اس کی باغراض میراث و دیگر احکامِ شرعی مردوں میں شمار کیا جائے گا اور اگر پیشاب عورت کے آلہ سے نکلتا ھو تو اس کو عورتوں میں شمار کیا جائے گا۔

قدری پاشا نے '' الاحکام الشرعیة فی‌الاحوال الشخصیة '' میں لکھا ھے کہ خنثیٰ اس ذات کو کہتے ھیں جس میں مرد اور عورت دونوں کے اعضاء تناسل موجود ھوں، یا دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ھو۔ پہلی حالت میں اگر وہ مرد کے آلہ سے پیشاب کرتا ھو تو مرد ھوگا، اور اگر نسوانی مخرج سے سے پیشاب کرتا ھو تو لڑکی ھو گی، اور اگر دونوں سے برابر پیشاب آتا ھو تو جس‌آلے سے پہلے برآمد ھو اس کا حکم دیا جائے گا، لیکن اگر اس مین بھی یکسانیت ھو تو پھر یہ خنثیٰ مشکل کہلائے گا (یعنی جس کے مرد یا عورت ھونے کا فیصلہ نہ ھوسکا)۔ یہ تفصیلات بلوغ سے قبل کے لیے ھیں۔ بالغ ھونے کے بعد اگر اس کے ڈاڑھی نکل آئے یا عورت سے ھم بستری کر سکے یا جس طرح مرد کو احتلام ھوتا ھے اس طرح احتلام ھونے لگے، تو وہ مرد ھوگا، اور اگر اس کے پستان ابھر آئیں یا دودھ اتر آئے یا حیض آنے لگے، یا حمل قرار پا جائے، یا اس کے ساتھ عورت کی طرح ھم بستری کی جا سکے تو وہ عورت ھو گی، لیکن اگر اس میں کوئی مذکورہ علامت موجود نہ ھو یا ان علامات میں تعارض پیدا ھو، تو اب یہ بھی خنثیٰ مشکل قرار پائے گا۔ اس کے لیے میراث کا اقل حصہ ھو گا، بطور مثال، اگر اس کے باپ کا انتقال ھو اور وہ اپنی وفات کے بعد ایک بیٹا چھوڑے اور دوسرا یہ خنثیٰ، تو لڑکے کو اس کے مقابلے مین دوھرا حصہ دیا جائے گا

(۶۴) الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیة، قدری پاشا، مطبوعہ مصر، ۱۸۹۰ء، دفعہ ۶۳۳

marfat.com

اور ایک حصہ خنثیٰ کو۔ کیونکہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے مقابلہ میں اقل ہے۔(٦۴)

ابن عدی نے کامل میں ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم سے خنثیٰ کی میراث کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا ''جہاں سے پیشاب کرے گا، اسی کا اعتبار ہو گا،،۔ عبد الرزاق نے بھی اپنی کتاب ''المصنف،، میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اسی طرح روایت کی ہے کہ ''اگر دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جہاں سے پہلے پیشاب نکلتا ہے اس آلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔،، یہ متفق علیہ ہے لیکن اگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ وہ خنثیٰ مرد ہے یا عورت تو ایسی صورت میں اسے کم تر حصہ کا مستحق خیال کیا جائے گا۔ اگر مرد قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہے تو مرد قرار دیا جائے گا، اور اگر عورت قرار دینے سے حصہ کم ملتا ہے تو اس کو عورت قرار دیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ صاحبین کے نزدیک بھی یہی مختار (معتبر ہے)۔ اور اکثر صحابہ سے بھی یہی منقول ہے کہ خنثیٰ مشکل کے لیے جس میں اس کا نقصان ہو وہی اس کا نصیب (حصہ) ہے، البتہ امام شعبی مرد و عورت دونوں کے حصوں کو جمع کر کے اس کا نصف دلواتے ھیں، لیکن فتوی امام ابو حنیفہ کے مذہب پر ہے۔(٦۵)

مصری قانون :

مصر کے قانون المواریث کے تحت خنثیٰ مشکل کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ خنثی مشکل وہ ہے جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہوسکا ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت، اس کے لیے مرد یا عورت دونوں کے حصہ میں جو بھی کم ہو دیا جائے گا، اور سابقی ترکہ باقی ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔(٦٦)

---

(٦۵) الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، صص ۳۰-۱۲۳

(٦٦) قانون المواریث مصر، نمبر ۷۷، بابت ۱۹۴۳ء، دفعہ ۴٦

''للخنثی المشکل، وھو الذی لا یعرف اذکر ھوام انثی، اقل النصیبین،،

چھتیسواں باب

موانع میراث

موانع میراث

۲۹۷ - موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔

تشریح

موانع میراث سے ایسے اسباب مراد ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح ورثہ سے محروم ہوتا ہے اس کو ممنوع الارث یا محروم الارث کہتے ہیں۔ (۱)

موانع میراث کی اقسام

۲۹۸ - موانع میراث حسب ذیل ہیں۔

(الف) (۱) قتل عمد و شبہ عمد، بشرطیکہ ناحق ہو،
(۲) اختلاف دین (مذہب)
(۳) اختلاف دار (مملکت)،

(ب) (۱) ارتداد،
(۲) اشتباہ وارث و مورث۔

تشریح

(الف) شرع اسلام میں موانع میراث فی نفسہ حسب ذیل چار امور ہیں :-

(۱) غلامی، (۲) قتل ناحق، (۳) اختلاف مذاہب، (۴) اختلاف دارین۔"

---

(۱) رد المحتار، محمد امین ابن عابدین (۱۲۵۶ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۶ھ، ج ۵، ص ۵۴۳

marfat.com

(ب) متذکرہ بالا چار امور کے علاوہ تبعاً حسب ذیل دو امور بھی موانع میراث کے ضمن میں آتے ھیں :-

(۱) ارتداد (۲) اشتباہ وارث و مورث ۔

عام طور سے فقہاء نے (الف) میں مذکور صرف چار موانع کو اپنی تصنیفات میں بیان کیا ھے۔ (ب) میں مذکور دو امور کو بطور مانع میراث نہیں کہا، کیونکہ ان دونوں میں شرط یا سبب کے غیر موجود ھونے کی بناء پر وراثت سے محرومی ھوجاتی ھے نہ کہ مانع اصلی موجود ھونے کی بناء پر۔(۲)

چونکہ آخر الذکر امور بھی تبعاً مانع میراث ھیں اس لیے ان کا ذکر بھی اسی باب کے تحت کیا گیا ھے۔ قدیم کتب فقہ میں موانع میراث میں سب سے پہلا مانع ''غلامی'' بیان کیا گیا ھے۔ چونکہ عہد حاضر میں ادارہ غلامی کا کوئی وجود نہیں اس لیے دفعۂ قانون میں اس سے صرف نظر کرتے ھوئے اس کا اجمالاً ذکر فٹ نوٹ میں کیا جارھا ھے۔(۳)

قتل ناحق

۲۹۹ - (۱) کوئی وارث جو مورث کے قتل عمد یا شبہ عمد کا مرتکب ھوا ھو مقتول مورث کا وارث نہ ھوگا، بشرطیکہ قتل ناحق ھو۔

استثناء (۱) اگر قتل اپنی جان کی حفاظت کے لئے کیا گیا ھو تو قاتل محروم الارث نہ ھوگا۔

(۲) اگر قاتل بچہ یا دیوانہ ھو تو محروم الارث نہ ھوگا۔

---

(۲) درالمنتقی بر حاشیہ مجمع الانہر، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ) مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۴۹
رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۳۳

(۳) غلامی، خواہ کامل ھو یا ناقص مانع ارث ہے اگر وارث میں کسی طرح کی مملوکیت ھو تو وہ مورث کی میراث نہیں پاسکتا، خواہ وارث ایسا شخص ھو جس کی آزادی کا سبب منعقد ھوگیا ھو مگر ابھی آزاد نہیں ھوا۔ مثلاً مکاتب، مدبر، ام ولد :

مکاتب :- وہ غلام ہے جس سے یہ معاھدہ ھو چکا ھو کہ اس قدر روپیہ ادا کردینے کے بعد وہ آزاد ھو جائے گا

''**مدبر**'' :- اس غلام کو کہتے ھیں جس سے مالک نے یہ کہا کہ تو میری وفات کے ساتھ آزاد ھوجائے گا۔

ام ولد :- وہ کنیز ہے جس کے بطن سے مالک کی اولاد پیدا ھوئی ہے۔ مالک کی وفات کے ساتھ ھی یہ کنیز آزاد ھوجائے گی خواہ مالک آزاد کرے یا نہ کرے۔

باقی فٹ نوٹ صفحہ ۱۸۹۵

marfat.com

تشریح

شرع اسلام میں باعتبار اثر یا حکم قتل کی دو قسمیں ہیں :۔

(الف) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم ہوجاتا ہے، اور

صفحہ ۱۸۹۴ کا باقی فٹ نوٹ

غلام اس لئے وراثت سے محروم رہتا ہے کہ وہ مال کا قطعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام مال جو غلام کے پاس ہوتا ہے، اس کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس لیے اگر غلام کو اس کے مورث کا وارث بنا دیا جائے تو اس صورت میں ورثہ بھی بالواسطہ اس کے مالک ہی کا ہو جائیگا جو مورث سے اپنے تعلق کے اعتبار سے اجنبی ہوتا ہے اور بایں سبب ورثہ کا قطعی مستحق نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہے تو وہ میراث کا مستحق ہوگا یا نہیں !

امام ابو حنیفہ کا مسلک :۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو ایک کامل غلام کی طرح میراث سے محروم رہے گا۔ ان کے نزدیک جب تک وہ کاملاً آزاد نہ ہو جائے وارث نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مکاتب کہ جب تک اس پر کتابت کا ایک روپیہ بھی باقی ہے، آزاد متصور نہ ہوگا اور وراثت سے محروم رہے گا اور دوسرے ورثاء کے لیے میراث سے حاجب (محروم کرنے والا) بھی نہ ہوسکے گا۔

صاحبین کا نقطہ نظر :۔ صاحبین کے نزدیک وہ آزاد متصور ہوگا چنانچہ ان کے نزدیک ایسا غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو وارث بھی ہوگا اور حاجب بھی۔

امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کی وجہ :۔ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک آزادی، قابل تجزیہ (حصے کئے جانے کے قابل) نہیں، جب کہ صاحبین اس کو ''قابل تجزیہ،، قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک تہائی، چوتھائی حصہ کا آزاد غلام بمنزلہ آزاد کے ہوگا اور ورثہ سے محروم نہ ہوگا۔ (شریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۱)

امام مالک کا مسلک :۔ امام مالک کا مسلک اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہے۔

حنبلیہ مسلک :۔ المغنی کے مصنف، علامہ ابن قدامہ المقدسی نے اس مسئلہ میں مختلف مذاہب کے نقطہ ہائے نظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حنبلیہ کے نزدیک مدبر اور ام ولد کامل غلام کے درجے میں ہیں۔ البتہ مکاتب کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ کتابت کا مال ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور دوسری یہ کہ قدرت نہ رکھتا ہو۔ آخر الذکر صورت میں وہ وارث نہ ہوگا۔ اول صورت کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ وارث ہوگا اور نہ مورث۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وارث بھی ہوگا اور مورث بھی۔ چنانچہ دوسری روایت کے مطابق اگر ایسا کوئی شخص فوت ہوجائے جس کا یہ (مکاتب) وارث ہو سکتا تھا تو یہ وارث ہوگا اور اگر خود مرجائے تو اس کے متروکہ مال سے کتابت کا واجب الادا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچ رہے وہ اس (مکاتب) کے ورثاء کا ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکاتب خود وارث نہیں ہو سکتا، البتہ مورث بن سکتا ہے یعنی مرجانے کے بعد جو مال چھوڑے اس مال سے کتابت کا حصہ مالک کو ادا کرنے کے بعد باقی مکاتب کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ (المغنی، ابن قدامہ المقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۳۲ - ۳۱)

امام شافعی اور امام حنبل کا مسلک :۔ رد المحتار میں ایسا ہی قول امام شافعی کا بیان کیا

باقی صفحہ ۱۸۹۶ پر

marfat.com

(ب) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

قتل مستلزم کفارہ :

جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم ہوجاتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں :

"(۱) قتل عمد

(۲) قتل شبہ عمد (قتل جو عمد کے مشابہ ہو)، اور

(۳) قتل خطاء۔

قتل غیر مستلزم کفارہ :

وہ قتل جس سے قصاص(۳) یا کفارہ لازم نہیں ہوتا اس کی دو صورتیں ہیں :۔

(۱) قتل قائم مقام خطاء، (۲) قتل بالتسبب ۔

صفحہ ۱۸۹۰ کا باقی فٹ نوٹ

گیا ہے اور امام احمد بن حنبل کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک جس غلام کا بعض حصہ آزاد ہوگیا ہے وہ آزاد حصہ کے مطابق وراثت پائے گا اور اسی کے مطابق دوسرے ورثاء اس کی وراثت لیں گے ۔ (رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۳۱)

ظاہریہ مسلک : ظاہریہ کا مسلک کامل غلام کے بارے میں دیگر ائمہ کے موافق ہے لیکن مکاتب کے متعلق ان کا نظریہ وہی ہے جو امام احمد بن حنبل کا ہے۔

(درالمنتقی بر حاشیہ مجمع الانہر، علاءالدین حصکفی (۱۰۸۸ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۸ھ، ج ۲، ص ۷۴۸ ۔ المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۶۸)

شیعہ مسلک : شیعہ مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ (شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، ص ۱۸۲)

(۳) عربی زبان میں "قص" کے معنی کاٹنے" کے ہیں۔ اسی سے لفظ "قصاص" ماخوذ ہے۔ جس سے مراد ضرر رسیدہ شخص کے زخم یا قتل کے بدلے مجرم کو زخمی یا قتل کرنا ہے
(لسان العرب، مطبع امیریہ، طبع اول، جلد ۸، ص ۳۴۱)
قصاص ایک مقرر سزا ہے جو ایک فرد کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے ضرر رسیدہ شخص یا اس کے ورثاء اگر چاہیں تو اسے معاف کر سکتے ہیں اور معافی سے سزا ختم ہوجاتی ہے
(تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۰ھ، طبع اول، جلد ۶، ص ۹۷)
بدایۃ المجتہد، ابن رشد، محولہ بالا، ج ۲، ص ۳۰۱
احکام السلطانیہ، الماوردی، مطبوعہ مصر، ص ۲۱۹
تشریح الجنائی الاسلامی، عبدالقادر عودہ، مطبوعہ مصر، ص ۸۷
القصاص فی الشریعۃ الاسلامیہ، الدکتور محمد ابراہیم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۳ھ، (م ۱۹۴۴م)، ص ۳۶

marfat.com

قتل عمد :

قتل عمد وہ قتل ہے جس کا وقوع مار ڈالنے کے ارادے سے ہوا ہو، یعنی قاتل نے اس نیت سے حملہ کیا ہو کہ وہ مقتول کو مار ڈالے نیز یہ کہ قتل ہتیار سے کیا گیا ہو۔

امام ابو حنیفہ کی رائے :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس کا ارتکاب ارادہ قتل کے ساتھ اسلحہ یا اس کے مانند کسی ایسی چیز سے کیا گیا ہو جو فارق اعضائے بدن ہو یعنی وہ چیز اعضاء کو ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً نوکدار پتھر، لکڑی یا اس کے مشابہ دوسری چیزیں۔ اس قسم کے اسلحہ کا کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا استعمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل ارادہ قتل رکھتا تھا۔(۵)

صاحبین کا نقطۂ نظر :

صاحبین کے نزدیک قتل کے لیے ہتھیار وغیرہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ ایسی شئے کا ہونا معتبر ہے جس کا اغلب نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قتل عمد آلے سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے جن کے نتیجے میں عادۃً موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے وہ ڈبونے گلا گھونٹنے، کسی اونچی جگہ مثلاً چھت وغیرہ سے گرانے اور اس قسم کے زہر کھلانے کو بھی قتل عمد قرار دیتے ہیں جو فوراً قتل کرتا ہو اور مجرم جانتا ہو کہ وہ مہلک ہوگا۔(۶)

امام طحاوی کا نقطۂ نظر :

امام طحاوی کا نقطہ نظر بھی صاحبین کے موافق ہے۔(۷)

---

(۵) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۳
تبیین الحقائق، شرح کنز الدقائق، زیلعی، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۵ھ، ج ۶، ص ۹۷

(۶) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۳۳

(۷) المختصر الطحاوی، امام طحاوی، مطبوعہ دکن، ۱۳۷۰ھ، ص ۲۳۲

marfat.com

مالکیه نقطهٔ نظر:

امام مالک کے نزدیک قصداً کسی ایسی شئے سے مارنا جو انسان کی موت کا باعث ہوتی ہو ''قتل عمد،، کہلاتا ہے۔(۸)

ابو زہرہ نے اپنی کتاب ''احکام الترکات و المیراث،، میں امام مالک کا مذہب اس طرح بیان کیا ہے کہ ''امام مالک کے نزدیک جو قتل میراث سے مانع ہوتا ہے وہ قتل ہے جو ظلماً بطور قصد مکلف سے بغیر عذر ہوا ہو، خواہ کسی طریقے سے واقع ہوا ہو۔(۹)

شافعیه مسلک:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاتل اگر ارادتاً تیز دھار والے آلے سے قتل کرتا ہے جو لوہے کا ہو یا ایسی چیز کا ہو جو لوہے کی طرح گوشت سے گزرتی ہو ،نیز اس طرح جو چیز اپنے بوجھ کی وجہ سے قتل کردیتی ہو مثلاً پتھر اور لکڑی یا جس کے بارے میں یہ خیال ہوتا ہو کہ اس کے استعمال سے موت واقع ہو جائے گی تو یہ تمام قتل، قتل عمد شمار ہوں گے اور قصاص واجب ہوگا۔(۱۰)

حنبلیه مسلک:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک کسی معصوم انسان کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ انسان ہے کسی ایسی شئے سے قصداً ہلاک کردینا جو اغلب طریقہ پر قتل کا موجب ہو جاتی ہے قتل عمد کہلاتا ہے۔ حنبلی فقہ کی کتاب ''الاقناع،، میں قتل عمد کی چند قسمیں بھی بیان کی گئی ہیں جو آلات قتل کے اعتبار سے ہیں۔(۱۱)

---

(۸) زرقانی، شرح موطاء محمد بن عبدالباقی بن یوسف (م ۱۱۲۲ھ)، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ع)، ج ۵، ص ۱۸۳

(۹) احکام الترکات و المیراث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۶

ابو زہرہ نے امام مالک کا یہ مذہب طریقہ قتل کے عموم میں بیان کیا ہے۔ آلہ قتل کے اعتبار سے قتل عمد کی تعریف کی حیثیت سے نہیں کیا، جو قتل مانع میراث ہے اس میں فقہاء کے پیش نظر دو امور ہیں ایک آلہ قتل اور دوسرا طریقہ قتل، چنانچہ آلہ قتل کے اعتبار سے زرقانی نے امام مالک سے منسوب جو جو تعریف کی ہے وہ صحیح ہے۔ (مولف)

(۱۰) الام، امام شافعی، محولہ بالا، ج ۶، ص ۵

(۱۱) الاقناع، (فقه حنبلی)، شرف الدین مقدسی، (م ۹۶۸ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۴، ۱۶۳

marfat.com

شیعہ امامیہ مسلک:

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل کی محض دو قسمیں ہیں: ''قتل عمد اور قتل خطاء،، جن کو قتل بالمباشرت اور قتل بالتسبب بھی کہا جاتا ہے۔

شیعہ فقہ میں قتل عمد کی تعریف:

''کسی عاقل و بالغ کا کسی معصوم جان کو قصداً بطور ظلم، بغیر تخصیص آلہ قتل کے ایسی شئے سے قتل کر دینا جس سے اکثر حالات میں موت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد ہے،،۔ چنانچہ ذبح کرنا، گلا گھونٹ دینا، زہر پلادینا، تلوار سے مار دینا، چھرا بھونک دینا، کسی وزنی چیز سے مار دینا، ایسا پتھر مار دینا جو کچل دیتا ہو یا قتل کے لیے انجکشن لگا دینا یہ تمام امور قتل عمد میں داخل ہیں۔

لیکن ایسی شئے سے قتل کردینا جس سے قتل نادر الوقوع ہے اس میں اختلاف ہے۔ صحیح روایت کے مطابق اگر کسی ایسی شئے سے ارادۃً قتل کیا جس سے موت واقع ہونا نادرالوقوع ہے اور موت واقع ہوگئی تو یہ بھی قتل عمد میں داخل ہوگا۔

ظاہریہ مسلک:

ظاہریہ کے نزدیک قتل کی خاص طور پر دو قسمیں ہیں۔ قتل عمد و قتل خطاء۔ قتل کی مذکورہ بالا دیگر اقسام کے یہ حضرات قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بھی قتل عمد ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو قصداً کسی ایسی شئے سے قتل کرے جس سے انسان کبھی مرجاتا ہو اور کبھی بچ جاتا ہو، بشرطیکہ قاتل عاقل بالغ اور مکلف ہو۔ ان حضرات کے نزدیک قتل کی ایک ایسی قسم بھی ہے جو نہ قتل عمد ہے نہ قتل خطاء، نہ کوئی دوسرے نام کا قتل۔ مثلاً ایسی کسی شئی سے قتل کیا ہو جس سے انسان کبھی نہیں مرتا ایسے قتل میں ان کے نزدیک نہ قصاص ہے نہ دیت نہ کفارہ بلکہ صرف تادیب کا مستوجب ہوگا۔(۱۲)

---

(۱۲) المحلی، ابن حزم، مولہ بالا، ج ۱۰، ص ۲۱۴

marfat.com

قتل عمد میں ارادہ کا دخل:

جہاں تک قتل عمد کے سلسلے میں ارادہ کا تعلق ہے اس کے لیے عام قصد کافی ہوگا ، یہ ضروری نہیں کہ پہلے سے تصور اور تصمیم (پختہ ارادہ) موجود ہو۔(۱۳) قتل عمد میں قصاص لازم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آتا ہے ''العمد قود،، یعنی قتل عمد موجب قصاص ہے۔(۱۴)البتہ اس میں یہ استثناء ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو عمداً قتل کیا تو بوجہ احترام پدری باپ کے ذمہ سے قصاص ساقط ہوگیا، لیکن باپ اس کی میراث سے محروم ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے مورث کو ناحق قتل کیا۔

نتیجۂ فکر:

مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں باسانی اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ قتل عمد کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ قاتل نے قتل کا ارتکاب عمداً کیا ہو۔ اس کے ارادہ قتل میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور وہ اپنے فعل کا براہ راست مرتکب ہوا ہو۔ اور کسی بھی سبب سے مقتول کا خون قاتل کے لیے حلال نہ ہو۔

قتل شبہ عمد:

حنفیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد وہ قتل ہے جو مار ڈالنے کے قصد کے ساتھ صادر ہوا ہو لیکن کسی ایسے ہتھیار یا شئے سے نہ ہوا ہو جو مفرق اعضائے بدن ہو۔ (یعنی بدن کے اجزاء کو چیرنے، ٹکڑے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً چھوٹی سی لکڑی)۔

قتل شبہ عمد کے بارے میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لوہے کے سوا باقی ذرائع مثلاً ڈنڈے، آگ یا ان کے مشابہ دوسری چیزوں سے جو قتل کیا جاتا ہے وہ قتل شبہ عمد ہے۔ ان کے نزدیک جو قتل ایسے آلات سے، جو جسم نہ کاٹتے ہوں یا جسم میں نہ گھونپے جاسکتے ہوں، کیا جائے وہ قتل

---

(۱۳) النظریۃ العامہ" و العقود فی الشریعہ الاسلامیہ، صبحی محمصانی، مطبوعہ بیروت، صص ۳۳-۱۳۰
(۱۴) احکام القرآن، امام جصاص (م ۳۷۰ھ)، مطبوعہ مصر، ج ۱، صص ۳۵-۱۳۳

marfat.com

شبہ عمد ہوتا ہے، اگرچہ وہ آلات ایسے ہوں جن سے بالعموم موت واقع ہوجایا کرتی ہو۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جو ایسے ذرائع سے واقع ہوا ہو جن سے بالعموم قتل واقع نہ ہوتا ہو۔ بالفاظ دیگر صاحبین کے نزدیک جب کبھی ایسا ذریعہ قتل استعمال کیا گیا ہو جس سے بالعموم ہلاکت نہ ہوتی ہو تو اس سے قتل واقع ہوجانے کی صورت میں اسے قتل شبہ عمد کہا جائے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد وہ ہوتا ہے جس میں ضرب تو عمداً لگائی جائے مگر قتل خطاءً واقع ہوجائے۔ یعنی جہاں قاتل مقتول کو بالا رادہ ماریپیٹ رہا ہو لیکن قاتل کا مقصد اسے مار ڈالنا نہ ہو اور مقتول کی موت اس کے قصد کے بغیر واقع ہوگئی ہو۔ چنانچہ امام شافعی کے نزدیک قتل عمد وہ ہوگا جس میں فعل اور نتیجہ فعل (قتل) دونوں کا ارادہ موجود ہو جب کہ قتل شبہ عمد میں ارادۂ قتل مفقود ہوتا ہے۔

امام احمد ابن حنبل بھی امام شافعی سے متفق نظر آتے ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد کی کوئی قسم قتل عمد سے ممیز نہیں ہے۔ یہی صورت ظاہریہ کے نزدیک بھی ہے۔

قتل شبہ عمد میں گناہ گاری اور دیت مغلظہ و کفارہ لازم ہوتا ہے۔ قصاص لازم نہیں آتا۔ البتہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا۔(۱۰)

قتل خطا:

قتل خطا وہ قتل ہے جو ایک جائز کام کے دوران مار ڈالنے کے قصد کے بغیر بلا فعل یا ارادہ یا دونوں کی غلطی سے واقع ہوا ہو۔ جیسے شکاری، شکار کی طرف تیر پھینکے اور کسی آدمی کے جا لگے، اسے ہلاک کردے یا

(۱۰) ''دیت،، وہ مالی تاوان ہے جو قاتل کے اہل خاندان (عصبات) مقتول کے ورثاء کو بمعاوضہ ہلاکت ادا کرکے بری الذمہ ہوں۔،، (مجمع البحرین، مطبوعہ مصر، ج ۲، ص ۹۳۷)
البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۲۰۱
خزانۃ الفقہ، ابو اللیث سمرقندی (م۳۸۳ھ)، مطبوعہ بغداد، ۱۹۶۵ء، جلد اول، صص ۵۵-۳۵۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۳ھ، ج ۸، ص ۲۹۱

marfat.com

یا ایک شخص کار میں سوار ہے اور کوئی شخص اس کار کے نیچے آکر ہلاک ہوجائے۔

قتل خطاء میں ملزم اقدام ایک چیز کا کرتا ہے لیکن اس سے فعل یا ارادے میں غلطی ہو جاتی ہے اور اس طرح جرم قتل سرزد ہو جاتا ہے۔ قتل خطاء میں بہر حال فعل (قتل کے علاوہ) کا ارادہ پایا جاتا ہے لیکن اگر ملزم کے دل میں کسی فعل کا ارادہ بھی نہ ہو اور قتل کسی فعل، قصد و ارادہ کے بغیر ہی واقع ہوجائے تو یہ فعل جار مجری خطاء یعنی قتل خطا کی طرح یا اس کے قائم مقام کہلائے گا۔ پہلی صورت میں بطور مثال، شکار کے دوران گولی چل جانے سے بجائے شکار کے آدمی مرجائے جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا، اور دوسری صورت میں، مثال کے طور پر، ایک آدمی سو رہا ہے، سوتے میں کروٹ لے اور نیچے گر پڑے اور جو آدمی نیچے سو رہا تھا اس کی موت واقع ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک بھی قتل خطاء وہ ہوگا جس میں دونوں کا ارادہ نہ ہو، نہ فعل کا اور نہ ان نتائج کا جو اس فعل سے مرتب ہوئے ہوں۔

امام ابن حزم کے نزدیک جو قتل اول معنی (قتل عمد) کے خلاف ہو وہ قتل خطا ہے۔ قتل خطا وہ ہے جس میں کسی کے قتل کا ارادہ نہ ہو۔(۱۶)

قتل خطا میں دیت اور کفارہ لازم ہوتا ہے اور قتل شبہ عمد کے مقابلے میں قاتل گناہ گار نہیں ہوتا۔ البتہ علاوہ امام مالک کے، دیگر آئمہ کے نزدیک مجرم مقتول کی میراث اور وصیت سے محروم ہوگا۔(۱۷)

قتل قائم مقام خطا :

قتل قائم مقام خطا وہ قتل ہے جو قاتل کے ایسے فعل سے واقع ہو جو قتل کا ذریعہ نہ تھا۔ لیکن ذریعہ بن گیا، جیسے سونے والا کروٹ لے اور دوسروں

---

(۱۶) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۱۷

(۱۷) خزانہ الفقہ، ابواللیث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، صص ۵۵ - ۳۵۳
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

marfat.com

پر گر کر اسے ہلاک کر ڈالے۔ اس کا حکم وہی ہے جو قتل خطا کا ہے۔(۱۸)

قتل بالتسبب :

قتل بالتسبب وہ قتل کہلاتا ہے کہ قاتل مقتول کو بذات خود قتل نہ کرے۔ قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ہے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے، جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراہم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قتل بالتسبب قتل خطاء سے ممیز قسم کا ہے۔ جب کہ شافعیہ اور حنبلیہ قتل بالتسبب کو بھی قتل خطا کی ایک صورت قرار دیتے ہیں۔

شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب کے چار مرتبے ہیں، جن کی تفصیل شرائع الاسلام میں بیان کی گئی ہے۔ (۱۹)

ظاہریہ قتل بالتسبب کو قتل ہی پر قیاس کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قتل بالتسبب میں قاتل مقتول کو مباشرتاً قتل نہیں کرتا یعنی خود فعل قتل میں شریک نہیں ہوتا مگر (اس کا فعل) بطور تجاوز سبب قتل بنتا ہے یعنی قتل بذات خود اس سے سرزد نہیں ہوتا مگر جو فعل اس سے صادر ہوا ہے وہ قتل تک پہونچانے والا ہے۔ بالفاظ دیگر قتل خطا اور قتل بالتسبب میں یہ فرق ہے کہ قتل خطا میں قتل براہ راست مجرم کے فعل کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ قتل بالتسبب میں قتل مجرم کے فراہم کردہ اسباب کی بناء پر واقع ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کنواں کھدوایا یا راستہ میں پتھر رکھا، دوسرا شخص غلطی سے کنویں میں جاگرا اور ہلاک ہوگیا یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مرگیا۔ (۲۰)

---

(۱۸) خزانۃ الفقہ، ابواللیث سمرقندی، محولہ بالا، ج ۱، صص ۵۵ - ۳۵۴
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۷
تکملہ بحر الرائق، ج ۸، ص ۲۸۷

(۱۹) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، (کتاب القصاص)، صص ۶۵ - ۲۶۳

(۲۰) رد المحتار، ابن عابدین، محولہ بالا، ج ۵، ص ۵۳۱

marfat.com

اس کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ گواہان کسی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے اور ان کی شہادت کی بنا پر اسے قاتل گردانا جائے۔ اگر نفاذ حکم کے بعد وہ گواہان اپنی شہادت سے رجوع کرلیں اور اقرار کریں کہ وہ اس شخص کو سزائے موت دلوانا چاہتے تھے اس لیے ان لوگوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی یا مثلاً جج کو یہ معلوم ہو کہ ملزم بے گناہ ہے لیکن وہ اسے قصداً سزا دے اور بعد میں اعتراف کرے کہ اس نے جان بوجھ کر اسے سزادی تھی۔(۲۱)

حنفی فقہاء کے نزدیک قتل بالتسبب میں قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ خاندان پر اور بصورت رجوع شہادت گواہان پر دیت واجب ہوتی ہے۔(۲۲) لیکن امام مالک و امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قتل بالتسبب کے مرتکب پر قصاص واجب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو احکام قتل خطا پر لاحق ہوتے ہیں وہی احکام اس سے متعلق ہوں گے۔(۲۳)

موجودہ مصری قانون کے تحت مورث کو عمداً قتل کردینا وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل فاعل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو یا اس کی جھوٹی شہادت کے ذریعہ قتل عمل میں آیا ہو جب کہ قتل بغیر حق و بلا عذر شرعی ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۵ سال کی عمر کا ہو۔ بالفاظ دیگر مورث کا قتل خواہ بطریقۂ مباشرت ہو یا بطریقۂ سببیت ہو، مانع ارث ہوگا۔ البتہ مصری قانون میں یہ صراحت کردی گئی ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں یہ قتل عمد مانع ارث نہ ہوگا:-

۱۔ جب کہ قاتل سنہ شمسی کے اعتبار سے دس سال کی عمر کو نہ پہونچا ہو۔

۲۔ جب کہ اباحت کا کوئی سبب موجود ہو یا قانون تعزیرات کے کے تحت کسی (دوسری) سزا کا مستحق ہو۔

---

(۲۱) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۱۸
(۲۲) بحر الرائق، ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، ج ۷، ص ۱۳۷
(۲۳) احکام الترکات و المواریث، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۹

marfat.com

۳ - دفاع شرعی کے حق سے تجاوز نہ کیا ہو۔

۴ - زوجہ زانیہ کو فوری طور پر قتل کیا ہو۔(۲۴)

قتل کا اثر میراث پر:

احناف کے نزدیک قاتل جس نے ناحق قتل کیا ہو، مقتول کی کسی شئے کا وارث نہیں ہوتا خواہ اس کا قتل عمداً ہو یا خطاء(۲۵) بہ الفاظ دیگر قتل عمد و قتل شبہ عمد اور قتل خطا تینوں صورتوں میں (جن میں احناف کے نزدیک قصاص یا کفارہ لازم ہوتا ہے) قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

قتل عمد (اور قتل شبہ عمد) کے نتیجہ میں قاتل کے مقتول کی میراث سے محروم ہوجانے کے سلسلہ میں شیعہ و سنی ائمہ متفق ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قتل کی دیگر صورتوں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو گیا یا نہیں!

حنفیہ مکتبہ فکر:

جیسا کہ سطور ما قبل میں بیان کیا گیا، احناف قتل خطاء کی صورت میں بھی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار دیتے ہیں۔

مالکی نقطۂ نظر:

امام مالک کا اس مسئلے میں احناف سے اختلاف ہے۔ وہ قتل بلا عمد (خطاء) کی صورت میں قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم قرار نہیں دیتے۔(۲۶)

شافعی نقطۂ نظر:

امام شافعی قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کے سلسلے میں انتہا پسند نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ وہ نہ صرف خطاء کی صورت میں قاتل کو

---

(۲۴) احکام المواریث فی الشریعہ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۶۰ع، ص ۹۴

(۲۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۷-۴۶

(۲۶) جواہر الاکلیل، شرح مختصر خلیل، صالح عبد السمیع الابی، ولہ بالا، جزء دوم، ص ۳۲۸
المبسوط، امام سرخسی، ولہ بالا، ج ۳۰، صص ۴۷-۴۶

marfat.com

میراث سے محروم قرار دیتے ہیں بلکہ قاتل خواہ کسی طرح قتل مورث میں شریک ہو، مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قصاص لینے والا، امام و قاضی (جس نے قتل کا حکم دیا ہو) اور جلاد و شاہد وغیرہ تمام اشخاص مقتول کے ترکہ کی حد تک محروم الارث ہیں اور انہیں مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔(۲۷)

حنبلی مکتب فکر:

حنبلی مکتب فکر کے نزدیک ہر وہ قتل میراث سے محروم کردیتا ہے جس کے نتیجے میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے خواہ وہ سزا قصاص ہو یا دیت ہو یا کفارہ۔ چنانچہ ان کے نزدیک قتل کی تمام مذکورہ بالا صورتوں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا البتہ وہ قتل جس کے بعد کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہوتا ہو میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا جیسے قصاص میں قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔(۲۸)۔

شیعہ مکتب فکر:

شیعہ امامیہ (جعفریہ) بھی قتل خطاء کی صورت میں قاتل کو محروم الارث قرار نہیں دیتے۔(۲۹) چنانچہ شیعہ فقہاء کے نزدیک قتل عمد میراث سے مانع ہوگا نہ کہ قتل خطاء۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قتل خطاء کی صورت میں دیت میں سے قاتل کو وراثت نہ دی جائے گی۔ یہ روایت پسندیدہ بیان کی گئی ہے۔(۳۰)

---

(۲۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۳
احکام الترکات و المواریث (فقہ عام)، ابو زہرہ، محولہ بالا، ص ۱۲۳

(۲۸) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۲
المحرر فی الفقہ الحنبلی، مجدالدین ابو البرکات، محولہ بالا، ج ۲، ص ۴۱۲
الاقناع، شرف الدین المقدسی، مطبوعہ مصر، ج ۳، ص ۱۲۳
المختصر، عمر بن الحسین الخرقی (م۳۳۴ھ)، المکتبہ الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ع) ص ۱۲۶

(۲۹) الاستبصار، ابو جعفر بن الحسن طوسی، محولہ بالا، ج ۴، صص ۱۹۳ - ۱۹۳

(۳۰) شرائع الاسلام، نجم الدین ابی جعفر الحلی، محولہ بالا، القسم الرابع، ج ۴، ص ۱۸۲

marfat.com

ظاہریہ مکتب فکر :

ظاہر یہ قتل خطا کے نتیجہ میں میراث سے محرومی کے مسئلہ میں حنفیہ سے متفق نظر آتے ہیں کیونکہ وہ تعلیل نصوص کے قائل نہیں ہیں۔

فقہاء کے اقوال کی بنیاد :

فقہاء کے اقوال کی بنیاد رسول اللہ کی حدیث ''قاتل کے لیے کوئی میراث نہیں،،(۳۱) پر ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابن عباس سے منقول ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس نے کسی (اپنے) کو قتل کیا، پس قاتل مقتول کا وارث نہ ہوگا، خواہ قاتل کے سوا مقتول کا کوئی وارث موجود نہ ہو، اگرچہ قاتل باپ ہو یا بیٹا، قاتل کے لیے میراث نہیں۔،،(۳۲)

مندرجہ بالا حدیث کا تجزیہ :

امام ترمذی نے ''القاتل لا یرث،، والی حدیث کو روایت کرتے ہوئے باعتبار اسناد اس میں کلام کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۔ خواہ قتل عمداً ہو یا خطاء۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب قتل خطاء ہو تو قاتل اس کی میراث لے گا۔ یہ قول امام مالک کا ہے۔ (۳۲)

ابن ماجہ نے بھی اس متن کو اپنی سند سے روایت کیا ہے، جس کی ابتداء میں ایک راوی محمد بن ربیع ان کی اپنی سند کا جدید ہے باقی تمام وہی راوی ہیں جو ترمذی کی روایت کے ہیں، البتہ ابن ماجہ نے اس باب میں حضرت قتادہ سے حضرت عمر کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ابو قتادہ جو بنی مدلج کے ایک قبیلہ سے تھے انھوں نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا تھا، حضرت عمر نے

---

(۳۱) ترمذی، محولہ بالا، ص ۳۰۷ :
''عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال القاتل لا یرث،،

(۳۲) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۶۱ :
''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من قتل قتیلا فانہ لایرثہ وان لم یکن وارث غیرہ وان کان والدہ او ولدہ فلیس للقاتل شئی،،۔

marfat.com

ابوقتادہ سے ایک سو اونٹ دیت میں لیے جو دیت کے لیے شرعاً مقرر ھیں پھر وہ اونٹ مقتول کے بھائی کو دیتے ھوئے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا : ''قاتل کے لیے میراث نہیں ۔'' (۳۳)

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار میں بیان کیا ھے کہ قاتل کے عدم استحقاق وراثت کے سلسلہ میں ابوداؤد نے عمرو ابن شعیب سے بواسطہ شعیب ان کے دادا کی سند سے روایت کیا ھے اور اسی سند سے نسائی نے نقل کرتے ھوئے اپنی سند کو معلول(۳۵) قرار دیا ھے۔ نیز دارقطنی اور ابن عبدالبر نے روایت کرتے ھوئے اس سند کی تائید کی ھے۔ اس حدیث کو امام شافعی، عبدالرزاق اور بیہقی نے بصورت انقطاع روایت کیا ھے، البتہ بیہقی نے ایک دوسری سند کے ذریعہ اس کو مرفوع نقل کیا ھے۔ نیز یہی مضمون حضرت ابن عباس سے دارقطنی اور بیہقی نے اپنی سندوں سے روایت کیا ھے لیکن ھر دو سندوں میں کچھ نہ کچھ ضعف موجود ھے۔ اسی طرح طبرانی نے ابو کثیر اشجعی کے قصہ میں اور خطابی نے عدی الجذامی کا ایسا ھی واقعہ نقل کیا ھے۔ ابو داؤد نے جس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ھے اس میں محمد بن راشد دمشقی مکحولی ھیں جن کو بعض محدثین نے مجروح کہا ھے جب کہ بعض کے نزدیک وہ ثقہ ھیں ۔(۳۶)

قرآن پاک کا استدلال :

قتل ناحق کے سلسلہ میں قرآن پاک میں اللہ تعالی کی سخت وعید آئی ھے۔ چنانچہ اللہ تعالی سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ھے کہ ''کسی مومن کے یہ شایان

---

(۳۳) ترمذی، محولہ بالا، باب الفرائض، ص ۳۰۷
''والعمل علی ھذا عند اھل العلم ان القاتل لا یرث، سواء کان القتل خطاء او عمداً وقال بعضھم اذا کان القتل خطاء یرث و ھو قول مالک ۔''

(۳۴) سنن، ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی، ص ۱۹۰

(۳۵) ''معلول'' یا ''معلل'' وہ حدیث ہے جس کے متعلق قرائن کے ذریعہ کسی ایسی علت کا وجود ھو جو حدیث کو ضعیف کر دیتی ھو۔ مثلاً راوی نے مرسل یا منقطع حدیث کو موصول روایت کر دیا ھو یا ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ دوسری کے متن سے ملاکر روایت کردیا ھو (نخبۃ الفکر، مطبوعہ کراچی، ص ٦٣)

(۳۶) نیل الاوطار، علامہ شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) مطبوعہ مصر، ۱۹٦۱ع، (۱۳۸۰ھ) ج ٦، ص ۸۰

marfat.com

شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو بغیر حق قتل کردے مگر یہ کہ خطاءً ایسا واقع ہوجائے،،۔ اسی سلسلے میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ''اور جو شخص کسی مومن کو بالقصد قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے۔ جس میں وہ (قاتل) ہمیشہ رہے گا اور (اس پر) خدا کا غضب اور لعنت ہوگی اور (خدا نے) اس کے لیے دردناک عذاب مقرر فرمایا ہے،،۔(۳۷)

مذکورہ بالا آیت قرآنی اور احادیث نبوی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ کی احادیث منشاء خداوندی کی تفسیر و بیان ہیں۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کے حق میں اللہ تعالی نے جس قسم کی وعید نازل فرمائی ہے اس قسم کی وعید اور سزا ایسے لوگوں کے حق میں مقرر فرمائی گئی ہے جو دین و دنیا میں خدا کی طرف سے اس کی نعمتوں سے محروم کر دئے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وارث کو اپنے مورث کے قتل کی بناء پر وراثت کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ اس دلیل کی بناء پر قتل عمد کے قاتل کا محروم الارث ہونا قطعی الثبوت قرار پاتا ہے، البتہ خطاء کی صورت میں متقدمین فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام مالک کے دلائل :

قتل خطاء کی صورت میں قاتل کے مورث کی وراثت سے محروم نہ کئے جانے کے سلسلے میں امام مالک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ شخص جو کسی ایسے شخص کے ناحق قتل کا ارادہ کرتا ہے جس کا وہ وارث ہوگا تو وہ دراصل میراث جلد حاصل کرنے کی نیت و ارادہ سے اس جرم قتل کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے بطور سزا ایسے مقتول کی وراثت سے محروم کردیا جائے گا۔ لیکن یہ نیت و ارادہ ایک ایسے قتل میں مفقود ہے جو اگرچہ ناحق ہو مگر بلا عمد (خطاءً) سرزد ہوگیا ہو۔ اس لیے اسے مقتول کی میراث سے محروم نہ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ خاطی (خطا کرنے والا) معذور ہوتا ہے اور سزا کا مستوجب نہیں ہوتا۔ خطا کرنے والے پر شرعاً رحم کیا جاتا ہے اس لیے بھی اسے میراث سے محروم نہ کیا جائے گا،

---

(۳۷) ۴ : ۹۲ (النساء ۴) :
''وما کان لمومن ان یقتل مومناً الا خطاء و من یقتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما،،

marfat.com

البتہ جہاں تک خون بہا (دیت) کا تعلق ہے جو قاتل کے اہل خاندان مقتول کے ورثاء کو ادا کریں گے اس میں وہ (قاتل) میراث پانے کا مستحق نہ ہوگا۔

چنانچہ موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ اگر ورثاء میں سے کسی ایک نے دوسرے کو خطاءً قتل کردیا تو اس صورت میں قاتل مقتول کے ذاتی مال کا وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال ملے گا اس کا وارث نہ ہوگا۔،، اس مضمون کی حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اہل مدینہ کے اتفاق (تعامل) نے اس حدیث کو قوت پہونچائی ہے۔ البتہ قاتل کا اس مقتول کے مال میں وارث ہونے کے سلسلے میں اس وجہ سے اختلاف ہوا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کےنزدیک اس مال کے قبل از وقت حاصل کرنے کی کوشش کا اتہام اس کے ذمہ لازم نہیں آتا اور یہ اتہام ہی قتل عمد کی صورت میں اس کے وراثت سے محروم ہونے کی علت تھی، اور قتل خطاء کی صورت مین یہ علت (غیر موجود) پائی گئی۔ اس سلسلے مین امام مالک فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ قاتل (قتل خطاء کی صورت میں) مقتول کے اپنے ذاتی مال سے وارث ہوگا لیکن دیت میں جو مال حاصل ہو گا اس میں وارث نہ ہوگا۔(۳۸)

قتل کے سبب محرومی میراث کا اصول

قتل کے سبب محروم الارث قرار دیا جانا اس اصول کے تحت ہے کہ جو ''شخص کسی شئے کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے حاصل کرنا چاہےاس کو محرومی کی سزا بھگتنی پڑے گی،، ۔(۳۹) اسی اصول کے تحت اگر موصی لہ موصی (وصیت کرنے والا) کو قتل کردے تو وصیت باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ جو شخص کسی

(۳۸) زرقانی شرح موطا، محمد بن عبدالباقی بن یوسف، محولہ بالا، ج ۵، ص ۱٦٤ :
''و ان قتل صاحبه خطاء ورث من ماله ولا يرث من ديته رواه الدار قطنی باسناد ضعيف لكنه اعتضد باتفاق اهل المدينة عليه، وقد اختلف فى انه يرث من ماله لا يتهم على انه قتله ليرثه وليأخذ ماله الذى علة منع ارثه فى قتله عمداً فاذا انتفت العلة بكون القتل خطاء۔ ورث من المال الا يرث عملا بعموم قوله صلى الله عليه وسلم ليس للقاتل شئی، فاحب القولين الى ان يرث من ماله ولا يرث من ديته، لان الحكم يدور مع العلة وجوداً و عدماً ۔،،

(۳۹) المجلة الاحكام العدليه، مطبوعه کراچی، دفعہ ۹۹ :
''من استعجل بالشئی قبل اوانه عوقب بحرمانه،،
شرح المجلہ- الاحكام العدليه، الاتاسی، مطبوعه حمص، ۱۹۳۰ء، ص ۲٦۸

شئے سے اس کے وقت سے پہلے فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ اس کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے مورث کو جلد میراث حاصل کرنے کے لیے عمداً یا بہ شبہ عمد یا خطاءً قتل کردے تو وہ اس مورث کی میراث سے محروم کردیا جائے گا اور اس (قاتل) کو میراث نہ ملے گی، البتہ اگر وہ قتل کا سبب بنا ہے تو اس صورت میں محروم نہ ہوگا کیونکہ جو شخص قتل کا سبب ہوا کرتا ہے وہ حقیقت میں قاتل نہیں ہوا کرتا مثلاً ایک شخص دوسرے کی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے اور اس کنویں میں کنواں کھودنے والے کا مورث گر کر مرجائے تو یہ کنواں کھودنے والا میراث سے محروم نہ ہوگا، بلکہ صرف قتل کی دیت اس پر واجب ہوگی۔ لیکن میراث سے محرومی کے اس اصول کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ قتل قصاص کے لیے نہ ہوا ہو یا کسی شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو چنانچہ اگر ایک عادل شخص اپنے باغی مورث کو (بغاوت کی رو سے) قتل کر دے تو یہ قاتل اس کا وارث ہوگا کیونکہ یہاں قاتل کا قتل کرنا ''قتل بحق شرع،، تھا، یا یہ کہ جن باغیوں کو قوت حاصل ہوچکی ہو ان میں سے کوئی فرد اپنے آپ کو اپنے خیال میں حق پر تصور کرتے ہوئے اہل عدل میں سے اپنے مورث کو قتل کردے تو یہ اس مورث کا وارث ہوگا کیونکہ قاتل اپنے گمان میں خود کو حق پر تصور کئے ہوئے ہے۔

مصر کا قانون میراث نمبر ۷۸ مجریہ ۱۹۴۳ء امام مالک کے مسلک کو اپناتے ہوئے قتل خطاء میں قاتل کو میراث سے محروم نہیں کرتا۔ اسی طرح مصر کا قانون وصیت نمبر ۷۱ مجریہ ۱۹۴۶ء بھی مالکی مسلک کے اتباع میں قتل خطاء کے مجرم کے حق میں وصیت کو صحیح (قابل نفاذ) قرار دیتا ہے۔

احناف کا جواب :

احناف اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں، کہ قتل عمد و خطاء دونوں صورتوں میں قاتل مورث کی میراث سے محروم ہو جائے گا، یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قتل ایک ایسا فعل ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور قاتل کا مقتول کی میراث کے حق سے محروم ہونا دراصل اس قتل کی سزا کے طور پر ہے جو ممنوع ہے، کیونکہ

marfat.com

خاطی کے لیے بھی قتل ممنوع ہے۔ ممنوع کی ضد مباح ہے۔ غلطی سے قتل کرنے کے سبب سے وہ فعل قتل مباح نہیں ہوجاتا اور ایسا کرنے والا قتل مباح کا مرتکب متصور نہیں ہو سکتا اس لیے جرم قتل کا بدلہ دینا ہوگا، کیونکہ جس طرح غیر فعل میں فعل کا تصور نہیں ہوسکتا اسی طرح غیر مباح میں اباحت (جواز) کاتصور نہیں کیا جا سکتا۔

احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قتل غلطی سے بھی ممنوع ہے اور اسی بناء پر اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے جو گناہ کو ڈھانپ دیتا ہے۔ اگر یہ قتل شرعاً معاف ہوتا تو اس کا کفارہ بھی مقرر نہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا جب کفارہ کا حکم دیا گیا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم کرنا بھی جائز ہوگا۔ احناف کہتے ہیں کہ دراصل غلطی سے قتل کرنے میں استعجال میراث کا الزام رہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس نے قتل خطاء کے ذریعہ استعجال میراث ہی کا قصد کیا ہو اور غلطی کا اظہار (بہانہ) کر رہا ہو۔ لہذا یہ گمان میراث سے محروم کردینے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک ہر ایسا قتل جس کے ارتکاب میں قاتل نے حصہ لیا ہو خواہ وہ قتل عمداً کیا گیا ہو یا غلطی سے سرزد ہوگیا ہو اس کو مقتول کی میراث سے محروم کرنے کا باعث ہوگا، البتہ ایسا قتل جو خود اس سے بذاتہ (مباشرةً) سرزد نہ ہوا ہو بلکہ جو فعل اس سے سرزد ہوا وہ قتل تک بالسبب پہونچانے والا ہو ایسی صورت میں وہ میراث سے محروم نہ ہوگا مثلاً قاتل نے کنواں کھودا اور مورث اس میں گر کر ہلاک ہوگیا یا راستہ میں پتھر رکھا، مورث اس سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مرگیا یا کسی شخص نے اپنے مکان کا چھجہ آگے کو نکالا جو مورث پر گر پڑا اور مورث مرگیا۔ ان تمام صورتوں میں وہ شخص میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ وہ قاتل نہیں کہلا یا جا سکتا اور ایسی صورت میں اس کے ذمہ کوئی قصاص یا کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ مذکورہ امور سے قاتل کی طرف یہ شبہ قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں پیدا ہوتی جس کی بناء پہ کہا جا سکے کہ اس نے میراث کو عجلت سے حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہوگا کیونکہ مذکورہ افعال کے ارتکاب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فاعل نے ان کے کرنے سے اپنے مورث کے قتل کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس شخص

marfat.com

کو یہ کس طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کا مورث اس کنویں میں گر ہی جائے گا یا پتھر سے ضرور ٹھوکر کھائے گا اور مرجائے گا یا مکان کا چھجہ اس کے نکلتے ہی اس پر گر پڑے گا اس سے پہلے یا بعد نہ گرے گا اور اپنی جگہ قائم رہے گا۔ میراث سے محروسی کا سبب قتل ممنوع کی مباشرت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقے پر قتل کا سبب ہونے والا مباشر (مرتکب) نہیں تھا، اس لیے میراث سے محروم نہ ہوگا۔(۴۰)

عرب ممالک میں رائج الوقت قوانین :

لبنان اور مصر کے قانون کے تحت نہ صرف اپنی ذات کے تحفظ کی خاطر حملہ آور کو قتل کر دینا موجب قصاص و حرمان میراث نہیں بلکہ دوسروں کی جان کا دفاع بھی اس استثناء میں شامل ہے۔

اسی طرح جلاد کا محکوم علیہ کے قتل کا فعل (جس کے قتل کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت دفاع جان و مال کے لیے قتل جب کہ ما سوائے قتل کے مال کا دفاع ممکن نہ ہو استثنائی صورتوں میں شامل ہیں۔

مصر کا قانون :

دفعہ ۵۔ وراثت کے موانع، مورث کا عمداً قتل کرنا، خواہ قاتل فاعل اصلی ہو یا قتل میں شریک ہوا ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جس کی بنا پر مورث کا قتل واقع ہو گیا ہو، بشرطیکہ قتل ظلماً اور بغیر عذر کے واقع ہوا ہو اور قاتل عاقل و بالغ ۱۵ سال کی عمر کا ہو، اور دفاع شرعی سے تجاوز کرنا عذر متصور نہ ہوگا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۴۔ امور ذیل وراثت کے مانع ہوں گے :

(الف) وصیت کے وہ موانع جن کو دفعہ ۲۲۳ میں بیان کیا گیا ہے۔

(ب) مسلم اور غیر مسلم وغیرہ ہونے کا اختلاف دین۔

(ج) ایک اجنبی وراثت سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے گا، الا یہ کہ

(۴۰) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۷-۴۸

قانون شام نے اس جیسے اجنبی شخص کے لیے کوئی قانونی دفعہ مرتب کی ہو۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸۸ - قتل عمد وراثت کا مانع ہوگا، خواہ قاتل اصلی ہو یا قاتل کا شریک ہو، یا ایسی جھوٹی شہادت دی ہو جو مقتول کے قتل کا باعث ہوگئی ہو اور حاکم نے اسی بنا پر قتل کا فیصلہ صادر کر دیا ہو۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۰ - جو شخص ظلماً اپنے مورث کو عمداً قتل کردے گا وہ مورث کے ذاتی اور دیت کسی مال سے وارث نہ ہوگا، اور نہ کسی وارث کا حاجب ہو سکے گا۔ لیکن جس شخص سے قتل خطاء واقع ہو تو وہ مورث کی ذاتی مال سے وارث ہوگا، دیت کے مال سے نہ ہوگا۔ اور وہ دیگر وارثوں کا حاجب ہوگا۔

برصغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں کا نقطہ نظر :

جہاں تک قاتل کے لیے قتل (عمد) کے سبب میراث سے محرومی کے اصول کا تعلق ہے اس کا اطلاق بر صغیر ہند و پاکستان کی عدالتوں میں بھی ہوتا رہا ہے چنانچہ بمقدمہ مسماۃ شاہ خانم بنام قلندر خان قرار دیا گیا کہ مصلحت عامہ کے اس اصول کے پیش نظر کہ ''کوئی مجرم اپنے جرم کے نتیجے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ''ایسا شخص جو مقتول کے قتل میں معین ثابت ہوا ہو مقتول کے ترکہ میں وارث نہیں ہو سکتا،، - (۳۱)

اسی طرح پاکستان میں جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان، لاہور (بینچ) (بعدہ جج سپریم کورٹ، پاکستان) نے بمقدمہ بیگوبن بنام سارو قرار دیا کہ ''انصاف،، (Justice) نصفت (equity) حسن نیت (Good Conscience) کے اصولوں کے تحت ایک قاتل

(۳۱) P L R, 1900, p. 455=74 PR 1900

marfat.com

یا اس کی اولاد (نسل) کو اپنے جرم قتل سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، گو قاتل باپ ہو۔ اور اگر اس کی اولاد اس کے ذریعہ سے وراثت کی مدعی ہو تو اس کی اولاد کو بھی ورثہ نہیں مل سکتا، کیونکہ جس سر چشمہ کے ذریعہ وراثت جاری تھی وہ اس کے جرم کے ارتکاب کے سبب مسدود اور جڑ سے اکھڑ جاتا ہے،،۔(۳۲)

(راقم الحروف کو باوجود تلاش قتل خطا کے نتیجے میں میراث سے محرومی یا استحقاق کے سلسلے میں کوئی عدالتی فیصلہ نہ مل سکا)۔

نتیجہ فکر:

راقم الحروف کے نزدیک قتل خطاء کے سلسلے میں دیگر ائمہ کے اقوال کی بہ نسبت امام مالک کا قول مرجح اور پسندیدہ ہے۔ ہر دو جانب سے جو احادیث پیش کی گئی ہیں ضعیف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اور جس طرح دیگر ائمہ اجماع اہل علم کو ان احادیث کی قوت کا سبب تصور کرتے ہیں اسی طرح امام مالک اجماع اہل مدینہ کو اپنی قوت استدلال کا سبب خیال کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ''لیس للقاتل شئی،، کی حدیث کے عموم کو ''وان قتل صاحبہ خطاء ورث من مالہ ولا یرث من دیتہ،، کی حدیث سے مقید تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آنحضرت (صلعم) کا اول فرمان اگرچہ عام ہے لیکن دوسرے فرمان نے اس میں خصوص پیدا کردیا اور جس طرح کتاب اللہ میں آیات عامہ کے لیے دوسری آیات تخصیص پیدا کر سکتی ہیں اسی طرح احادیث میں ایک حدیث دوسری کے لیے خصوص کا موجب ہو سکتی ہے۔ نیز اگر کتاب اللہ کی مذکورہ آیات پر غور کیا جائے تو ان سے بھی امام مالک کے قول کی تائید اور معویت کا ثبوت بہم پہونچتا ہے کیونکہ قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ قتل عمد کے قاتل کے حق میں شدید ترین سزا کا اعلان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''من قتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم،،اس آیت میں سزا کا وہ

---

(۳۲) PLD, 1964, LAH. 451
PLR, 1965. (2) West Pkistan, 114
16 DLR (West Pakistan) 1

marfat.com

درجہ بیان فرمایا ہے جس میں اللہ تعالی نے بندوں کو بعض دینوی اور کل اخروی نعمتوں سے محروم فرمادیا ہے۔ اس کے بعد قتل خطاء کے مرتکب کو اس سزا سے مستثنی فرماکر ارشاد فرمایا ہے ''من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اھلہ،، ''کہ جس شخص نے کسی مومن کو خطاء قتل کر دیا اس پر مومن غلام کا آزاد کرنا اور دیت جو مقتول کے اولیا کو دینا لازم ہے،، اس سے ظاہر ہوتاہے کہ اللہ تعالی نے قتل عمد کےمقابلےمیں قتل خطاء کی سزا میں انتہائی تخفیف فرمادی ، جس کا مقتضی یہ ہوا کہ قتل خطاء کا مرتکب اس محرومی کا مستحق نہیں جو قتل عمد کے مرتکب کےلیے تجویز کی گئی ہے۔

امام مالک اپنے مسلک کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ''رفع اعن امتی الخطاء و النسیان وما استکر ھوا علیہ،، پیش کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہےکہ خطا کرنے والا مرفوع القلم ہےاور اس کے فعل پر مواخذہ نہ ہوگا۔ ''اس حدیث کی روشنی میں اس کےفعل خطاء پر میراث سے محروم ہو جانا مندرجہ بالا حدیث کےخلاف عمل ہوگا۔ (یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ائمہ محدثین کےنزدیک اس حدیث کا اطلاق مواخذہ آخرت پرہوگا۔ دیکھئے بحث ''طلاق مکرہ،، جلد دوم صفحہ ۶۶۳-۶۶۴)

احناف کا یہ استدلال کہ قتل اگرچہ خطاء واقع ہوا ہو لیکن بحیثیت قتل کے مباح نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس پر کتاب اللہ میں دیت اور کفارے کی سزا مقرر کی گئی ہے، جو قتل خطاء کے جرم ہونے کی دلیل ہے، راقم‌الحروف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں دیت اور کفارہ کا حکم دیا جانا دو احتمال رکھتا ہے۔ پہلا احتمال وہی ہے جس کو احناف نے بیان کیا ہے کہ قتل خطاء کا فعل جرم ہے اور اس بناء پر دیت و کفارہ سزا کے طور پر رکھا گیا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دیت اور کفارہ قتل خطاء کے جرم میں ہونے کی بناء پر نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ ایک مسلمان کا خون جو قابل احترام شئے ہے اس کا اعزاز و اکرام باقی رہے اور لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کا خون اس درجہ گراں قدر ہے کہ اس کا ضائع ہونا کسی طرح خداوند عالم کو پسند نہیں۔

لہذا مذکورہ بالا دو احتمالوں میں سے جب تک پہلا احتمال متعین

marfat.com

نہ ہو اس وقت تک یہ کہنا مشکل ہوگا کہ چونکہ قتل خطاء جرم تھا اس لیے اس کی سزا میں دیت اور کفارہ لازم کیا گیا ہے۔ مزید برآن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو امام مالک کے مسلک کی تائید خود کتاب اللہ کی آیت کے سیاق سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ کسی ایسے فعل سے جو شرعاً جرم ہو کسی دوسرے فعل کے استثناء کا اقتضاء یہ ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنی منہ کے حکم سے خارج کر دیا جائے۔ نیز دیت اور کفارہ کی آیت کا اختتام ''توبۃ من اللہ'' پر ہوا ہے۔ توبہ جس وقت بندے کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہ سے رجوع کرکے معافی کا خواستگار ہوا اور جب خدا کی طرف سے منسوب ہو تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا نے بندے پر مہربانی فرمائی اور عفو کے ساتھ درگزر فرمایا۔ آیت مذکورہ میں توبہ کی نسبت صراحت کے ساتھ اللہ تبارک و تعالی کی طرف فرمائی گئی ہے اور آیت کے مجموعی مضمون کے سیاق سے یہاں صحیح مطلب یہ ہوگا کہ قتل خطاء کے جرم ہونے سے در گزر کر دینا خدا کی مہربانی اور اس کی طرف سے عفو و در گذر ہے۔ اور یہ عفو و مہربانی اسی وقت کامل ہو گی جب کہ اس فعل پر سزا مرتب نہ ہو بلکہ دیت اور کفارہ کو خون مسلم کے اعزاز و اکرام کی بقاء کے لیے تصور کیا جائے۔ اس تفسیر کی روشنی میں بھی امام مالک کا نقطہ نظر کہ قتل خطاء میں محرومی میراث کا حکم نہ دیا جائے گا، اصح اور قرین صواب نظر آتا ہے۔ البتہ یہ حکم اس وقت دیا جانا چاہئے جب کہ حاکم کے نزدیک صحیح معنی میں یہ ثابت ہوجائے کہ قتل واقعی خطاء ہوا ہے جس کا ذریعہ شواہد اور خارجی قرائن ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور حاکم کو ظاہری حالات کو پیش نظر رکھ کر ہی حتی الامکان صحیح فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے، جیسا کہ خود امام شافعی نے فرمایا ہے کہ قاضی کو ظاہری حالات پر اجتہاد کا مکلف بنایا گیا ہے۔(۳۳) مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت کو شہادت اور آثار و قرائن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ جائے کہ قتل واقعی خطاء (غلطی سے) سرزد ہوا ہے تو قاتل کو میراث سے محروم نہ کیا جائے گا۔

---

(۳۳) الرسالہ، امام شافعی، مطبوعہ مصر، ۱۹۴۰ع، ص ۴۹۸:
''انہ انما کلف فی الحکم الاجتہاد علی الظاہر، دون المغیب''

marfat.com

جہاں تک قتل بالتسبب میں میراث سے محرومی کا تعلق ہے اگر واقعی طور پر وہ قتل محض اس سبب کے ذریعہ واقع ہو مگر سبب کے بانی کا کسی طرح بھی اس قتل سے تعلق ،نیت یا ارادہ ظاہر نہ ہوتا ہو تو اس میں میراث سے محرومی کا حکم نہ دیا جائے گا لیکن اگر قاتل نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ سبب اختیار کیا ہو جس سے بالواسطہ ارتکاب قتل کا ثبوت فراہم ہوتا ہو تو قاتل کو قتل شبہ عمد کے اثر و نتیجہ کے تحت میراث سے محروم قرار دیا جانا چاہئے۔ چنانچہ اگر قتل بالتسبب میں اس سبب کے اختیار کرنے ہی میں ارادہ' قتل مضمر ہے یعنی ایسا ارادہ ثابت ہوجائے جو قتل کا موجب ہوا ہو تو اس پر بھی حرمان میراث کا حکم لگانا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص بحکم شرعی اپنے مورث کو حد یا قصاص میں مار ڈالے یا اس حالت میں اسے مار ڈالنے کا مرتکب ہو کہ مورث اس پر اولاً خود حملہ آور ہوا ہو اور اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر حق تحفظ ذات کے تحت مورث کو قتل کیا تو ایسے قتل سے نہ قصاص لازم آتا ہے نہ کفارہ اور نہ قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے۔ یہ مسلک حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کا ہے ، لیکن امام شافعی اس سے متفق نہیں ہیں ان کے نزدیک قاتل خواہ کسی طرح مورث کے قتل میں شریک ہو مقتول کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ امام شافعی قتل ناحق کے سبب میراث سے محرومی کے نظریہ کو نابالغ اور پاگل تک وسعت دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک نابالغ یا پاگل بھی اگر قتل مورث کا مرتکب ہو تو اس کو میراث سے محروم کیا جائے گا، کیونکہ وہ قتل نا حق کا مرتکب پایا گیا ہے۔(۴۴) لیکن راقم‌الحروف کو اس مسئلے میں امام شافعی سے اختلاف ہے، کیونکہ میراث سے محروم ہونا قتل حرام کی سزا ہے۔ نابالغ اور پاگل کے افعال امر سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ فعل ممنوع وہ ہے جس کے ساتھ شرع نے خطاب کیا ہو اور یہ امر نابالغ یا پاگل میں نہیں پایا جاتا۔ علاوہ ازیں قاتل کے خلاف حرمان میراث کے حکم کی بنیاد استعجال میراث (یقینی یا ظنی) کے قاعدہ پر ہے۔ نابالغ یا پاگل کے قصد استعجال میراث کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاسکتا، حرمان

---

(۴۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۴۸:-

''واما الصبی و المجنون اذا قتل مورثہ لم یحرم عن المیراث عندنا و عند الشافعی یحرم عن المیراث لوجود القتل بغیر حق۔''

marfat.com

میراث اس امر یا فعل کے بچنے سے کوتاہی کے سبب ہوتا ہے اور کوتاہی خاطی سے سرزد ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس امر کا اہل ہے کہ اس سے کوتاہی منسوب کی جائے اور یہ نسبت پاگل اور نابالغ میں نہیں پائی جاتی وہ اس نسبت کے شرعاً اہل نہیں ہیں۔ امام شافعی کا نقطہ نظر انتہائی درجہ تقوی اور احتیاط پر مبنی ہے، مگر اس سے قواعد شرعیہ کی مخالفت لازم آتی ہے اس لیے ان کا مذہب مرجوح قرار پائے گا۔

اختلاف مذاہب **۳۰۰ - کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہ ہوگا۔**

تشریح

مسلم اور غیر مسلم مورث اور وارث کے درمیان مذہب یعنی توحید و شرک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ البتہ غیر مسلم اختلاف ملت کفر کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ مسلمان باہم وارث ہوتے ہیں، لیکن کافر کسی مسلمان کی میراث نسبی یا سببی رشتہ سے نہیں لے سکتا۔(۴۵) اس پر است مسلمہ کا اجماع ہے۔ البتہ مسلمان کا کافر کی میراث پانے کے متعلق فی الجملہ اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء صحابہ کے نزدیک ایک مسلمان غیر مسلم کا وارث نہ ہوگا۔ یہی قول احناف اور امام شافعی کا ہے۔ لیکن صحابہ میں حضرت معاذ بن جبل اور معاویہ بن ابی سفیان اور تابعین میں سے حسن بصری، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق تابعی کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوگا۔ جس کی دلیل آنحضرت (صلعم) کا ارشاد ''الاسلام یعلوا ولا یعلی، ہے۔ چونکہ وراثت حاصل کرنا بھی ایک قسم کی برتری ہے اس لیے اسلام کفر پر غالب ہے جو مذکورہ حدیث کی رو سے مسلمان کا حق ہے۔

ائمہ اربعہ کا مسلک :

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ ان مذکورہ حضرات کے نزد یک استحقاق وراثت بھی ایک قسم کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں، البتہ مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل

(۴۵) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۰

marfat.com

ہوتی ہے۔ اس لیے (ان مذکورہ حضرات کے نزدیک) مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا۔ علاوہ ازیں، ارث کا استحقاق کبھی عام سبب سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی خاص سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ سبب عام کے تعلق سے مسلم غیر مسلم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ ذمی (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری) کا ترکہ اگر اس کا دار الاسلام میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردیا جاتا ہے جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ اس طرح گویا مسلمان اس ذمی کے مال کے وارث ہوجاتے ہیں۔ لیکن سبب عام کے ذریعہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہی حکم اس صورت سے بھی متعلق ہوگا جب کہ سبب خاص وارث کا ذریعہ بنے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مسلم بعض خاص حالات میں مرتد کا وارث ہوتا ہے لیکن مرتد مسلم کا وارث نہیں ہوتا۔ اور مرتد چونکہ کافر ہوتا ہے اس لیے اسی پر دیگر کفار کو قیاس کرنا چاہئے۔ اس نظریہ کی تائید میں رسول اللہ (صلعم) کی حدیث ''الاسلام یزید ولا ینقص،، پیش کی جاتی ہے یعنی اسلام (حقوق کی) زیادتی کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ ان کی کمی کا۔ چنانچہ غیر مسلم اپنے غیر مسلم قرابت دار سے وراثت پانے کا پہلے سے مستحق تھا اب مسلمان ہونے کے بعد اس کو کس طرح محروم قرار دیا جا سکے گا، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اسلام اس اس کے حق کی کمی کا سبب ہوجائے، اور یہ جائز نہیں ہو سکتا۔

لیکن جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ''ولا یتوارث اھل ملتین بشئی لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم،،(۹۴) نیز یہ حضرات قرآن سے استدلال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ''والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض،، پیش کرتے ہیں کہ کفار آپس میں بعض کے ولی ہیں۔ اس سے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان قیام ولایت کی نفی کی گئی ہے۔ اب اگر اس ولایت سے مخصوص طور پر وراثت مراد ہو تو یہ واضح ہوجائے گا کہ دونوں فریق کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر ولایت سے ولایت عام مراد ہو تو یہ واضح ہے کہ وراثت ولایت

---

(۹۴) صحیح بخاری، امام بخاری، مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ج ۲، ص ۱۰۰۱
مسلم، بشرح نووی، امام مسلم، ج ۱۱، ص ۵۲ (کتاب الفرائض)۔

marfat.com

عام کا ایک فرد خاص ہے اور وارث اپنے مورث کا بحیثیت مالک ہونے اور قابض ہونے کے تصرفات میں قائم مقام ہوتا ہے، اب دین کے مختلف ہونے سے ایک کو دوسرے پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کس طرح ولایت حاصل ہوگی ؟ چنانچہ غور کیا جائے کہ جب ہجرت فرض تھی اس وقت اللہ تعالی نے حکم دیا تھا ''والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئی حتی یھا جروا،، یعنی جن لوگوں نے ایمان لاکر ہجرت نہ اختیار کی ہو ان پر تم کو کچھ بھی ولایت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں اور کافروں میں باہم ولایت نہیں رہتی۔(۳۷) کیونکہ جب دارالکفر میں رہنے والے مسلم سے عدم ہجرت کی بناء پر اللہ تعالی نے دار الاسلام میں رہنے والے مسلم کے مابین ولایت کو قطع فرما دیا تو ظاہر ہے کہ ایک مسلم اور کافر میں بطریق اولی ولایت کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ البتہ غیر مسلم خواہ کوئی ملت رکھتے ہوں، احناف کے نزدیک، باہم وارث ہوں گے، ان اسباب کے ذریعہ جن کے ذریعہ مسلمان باہم وارث ہوتے ہیں، نیز ایسے اسباب کے ذریعہ بھی جو مسلمانوں کے یہاں وراثت کا ذریعہ نہیں ہیں، لیکن ان میں بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کے ذریعہ ان میں اگرچہ وراثت جاری ہو لیکن اسلام ان ذرائع کو وراثت کا ذریعہ قرار نہیں دیتا تو ان میں وراثت کا حق پیدا نہ ہوگا جیسے وہ نکاح جو مسلمانوں کے مابین کسی حال میں درست نہیں ہوتے مثلاً محرمات نسبی یا رضاعی سے نکاح۔ امام مزنی نے اپنی کتاب ''المختصر،، میں امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق نقل کیا ہے لیکن بعض اصحاب شافعی سے مروی ہے کہ جب تک اعتقادی نوعیت میں متفق نہ ہوں گے اس وقت تک وارث نہ ہوں گے۔ ابو القاسم نے امام مالک سے بھی یہی نقل کیا ہے (۳۸)

امام احمد حنبل کے نزدیک اگر مسلمان کا غیر مسلم وارث میراث تقسیم ہونے سے قبل اسلام لے آیا تو اس کا وارث ہوگا اور دیگر ورثاء کے ساتھ وراثت

---

(۳۷) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳
المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱

(۳۸) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۱
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳

marfat.com

میں شریک ہو جائے گا۔(۴۹) یہ نقطہ نظر معتدل ہے۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک اختلاف دین اس طرح مانع ارث ہے کہ کافر مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم ہر قسم کے کافر کا وارث ہوگا۔(۴۹)

ظاہریہ :

امام ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں لکھا ہے کہ کافر مسلمان کی اور مسلمان کافرکی میراث نہیں لے سکتا۔(۵۰)

مصری قانون :

مصری قانون المواریث ۷۷، ۱۹۴۳ء ، کی دفعہ ۶ کی رو سے مسلم اور غیر مسلم میں وراثت جاری نہ ہوگی البتہ غیر مسلم باہم وارث ہوں گے۔(۵۱)

شام کا قانون :

شام کے قانون کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۱۳ کتاب ہذا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۹ ۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اور ولد اللعان و ولد الزنا اور اس کے والد کے درمیان وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہوگا کہ قرآن پاک ''ملل کفر'' والوں کو باہم وارث تسلیم کرتا ہے لیکن ''ملل

---

(۴۹) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۷۱
(۴۹) (ا) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف ۱۹۵۶ء، ج ۴، صص ۹۰-۱۸۹
(۵۰) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۹، ص ۳۷۱
(۵۱) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۸۴

marfat.com

کفر و اسلام،، کے بارے میں خاموش ہے۔ البتہ حدیث نبوی جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اس مسئلہ میں صریح نص کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ دیگر ائمہ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کی نوعیت ایک عام اصول اور ضابطہ کی ہے جو مسئلہ متعلقہ میں صریح حدیث کی موجودگی میں لائق استدلال نہیں۔ بنابریں راقم‌الحروف کے نزدیک یہ نقطہ نظر اقرب الی الصواب ہے کہ جس طرح غیر مسلم مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا اسی طرح مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہونا چاہئے۔

معاذ بن جبل وغیرہ کی دلیل کہ ''مسلم غیر مسلم وارث کا ولی ہوسکتا ہے اور وراثت ولایت کی ایک قسم یا شاخ ہے،، اس مسئلہ میں بطور حجت پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ ولایت ایک مستقل حق بالذات نہیں بلکہ ایک امر عارضی ہے جو ایک معین عمر یا حالت تک قائم رہتا ہے، جب کہ وراثت مستقل بالذات ہے جس کا تعلق قائم ہونے کے بعد صرف وارث کی ذات سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ولایت قابل انتقال نہیں جب کہ وراثت میں ملا ہوا ترکہ قابل انتقال بھی ہوتا ہے۔ ولایت اور وراثت میں مندرجہ اعتبارات سے جو امتیاز موجود ہے وہ اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان حضرات کا وراثت کو ولایت پر قیاس کرنا اور اس سبب سے مسلم کو غیر مسلم کی میراث دلانا منطقی طور پر بھی درست نہیں۔

اختلاف دار

۳۰۱۔ مملکت اسلامیہ کے غیر مسلم شہری اور مملکت غیر اسلامیہ کے غیر مسلم شہری کے درمیان، بجز حالت جنگ مابین ہر دو ملک، اختلاف مملکت مانع ارث نہ ہوگا، الا یہ کہ مملکت غیر اسلامیہ کا قانون اس کا مانع ہو۔

تشریح

دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحوں کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ البتہ بعد کے اجتہادی دور کی کتب فقہ میں ''کتاب السیر،، کے تحت مستقل بحثیں ملتی ہیں، جن میں باہم مسلم و غیر مسلم ممالک و افراد کے باہمی قانونی تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جو اصطلاحیں اختیار کی گئی ہیں، ان میں

marfat.com

دارالاسلام، دارالحرب، دارالکفر، دارالعہد اور دارالامان کی اصطلاحیں معروف ہیں۔ ان کے علاوہ دارالخوف، دارالشر، غیر دارالاسلام، دارالمسلمین، دار فرار، دارالسلم اور دار موادعت کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں۔ یہ اصطلاحات تغیر زمانہ کے سبب اپنی تعریف، اطلاق اور حدود وسعت کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں، ابتداء اسلام میں جنگ کا بنیادی سبب مذہب ہوتا تھا اور مسلمان ہر طرف جنگ و جدال میں مصروف تھے اسی بناء پر مسلمان مملکتوں کو دارالاسلام اور دیگر تمام اجنبی حکومتوں کو دارالحرب کہا جاتا تھا البتہ جن پڑوسی اجنبی ممالک سے باہم عہد و پیمان ہوجاتے تھے ان کو دارالعہد کہا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم کتب فقہ میں کثرت کے ساتھ دارالاسلام، دارالحرب اور دارالعہد کی اصطلاحیں ملتی ہیں، اور دوسری اصطلاحوں کا استعمال کم ہوا ہے۔

دارالاسلام و دارالکفر (دارالحرب) :

فقہاء کی تصریح کے مطابق دارالاسلام میں تین شرطوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے :

۱۔ صدر مملکت کو جسے فقہاء عام طور پر ''امام'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ناموس شریعت کا محافظ اور پاسبان ہونا چاہئے۔

۲۔ ملک میں اسلامی قانون رائج ہونا چاہئے جس کا بنیادی مقصد عدل و احسان کے قیام اور فواحش و منکرات کا استیصال ہے۔

۳۔ ہر مسلمان خواہ کسی ملک اور علاقہ کا باشندہ ہو اور اس اعتبار سے ایک مقامی قومیت رکھتا ہو، اس کو دارالاسلام میں بلا روک ٹوک آنے کی اجازت ہوگی اور ایسے وہاں پہونچتے ہی وہ تمام شہری حقوق حاصل ہوجائیں گے جو وہاں کے پہلے سے رہنے والے (مسلمانوں) کو حاصل ہیں۔ وہ وہاں زمین خرید سکتا ہے، کھیتی باڑی اور کاروبار کرسکتا ہے۔ ملازمت میں لیا جا سکتا

marfat.com

ہے اور جاگیر و جائیداد پیدا کر سکتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ جب تک چاہے وہاں قیام کرے۔ حکومت اس کو ملک سے نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتی۔ اسی بناء پر مسلمان اگر کسی دوسرے ملک میں کسی جرم کا ارتکاب کر کے آیا ہو تو دارالاسلام کی حکومت کو حق ہوگا کہ وہ اسے سزا دے ۔(۵۲)

لیکن جدید عہد میں شاید ہی کوئی ایسا اسلامی ملک ہو جہاں بالخصوص تیسری شرط کا لحاظ کیا جاتا ہو۔ راقم الحروف کے نزدیک دور حاضر کے مخصوص مقتضیات کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت والے ایسے ملک کو دارالاسلام کہا جا سکے گا، جہاں شرعی قوانین کے نفاذ میں کوئی امر مانع موجود نہ ہو، نیز جو ملک پہلے دارالاسلام ہو اور پھر اس پر غیر مسلموں کا غلبہ ہوجائے تو اس کو اس وقت تک دارالحرب نہ کہا جائے گا جب تک اس میں اسلامی احکام کا کچھ بھی جزو باقی ہے، اگرچہ اہل اسلام کا غلبہ نہ رہا ہو، کیونکہ جس حکم کا وجود کسی علت پر مبنی ہوتا ہے تو جب تک وہ علت بالکل نہ اٹھ جائے، حکم باقی رہتا ہے۔

بالفاظ دیگر دارالاسلام اس دار (ملک) کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو غلبہ و تسلط حاصل ہو اور جہاں غلبہ اور تسلط حاصل نہ ہو، شرعی اصطلاح میں، وہ ملک دارالکفر کہلائےگا۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی اس تعریف میں ائمہ کے درمیان اختلاف نہیں۔ البتہ اگر کوئی ملک دارالاسلام ہو تو وہ کب اور کن حالات میں دارالکفر (دارالحرب) میں تبدیل ہو جائے گا اس میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے

چنانچہ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غیر مسلموں کا ملک تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے :

۱۔ یہ کہ یہ ملک تاتاریوں (اس وقت تک یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے) کے ملک سے ملا ہوا ہو۔

---

(۵۲) ''برہان،، دہلی، (ماہنامہ)، سعید احمد اکبر آبادی، مولانا، (مدیر)، اکتوبر ۱۹۶۶ع ص ص ۳۰۱-۳۰ (ہندوستان کی شرعی حیثیت)

۲۔ یہ کہ اس میں کوئی مسلمان سابق امان کے ساتھ نہ ہو اور اسی طرح کوئی ذمی سابق امان کے ساتھ نہ ہو، اور

۳۔ یہ کہ یہ لوگ شرک کے احکام ظاہر کریں۔

اس کے بر خلاف امام ابویوسف اور محمد الشیبانی کے نزدیک (صرف) احکام کفر کے اظہار (اجراء) کرتے ہی یہ ملک دارالحرب بن جاتا ہے۔(۵۳)

اسی طرح امام علاءالدین الکاسانی نے لکھا ہے کہ ''ہمارے اصحاب کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ دار کفر میں احکام اسلام کے ظہور سے دارالکفر، دارالاسلام ہوجاتا ہے البتہ اس میں ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ دارالاسلام کس سبب سے دارالکفر ہوجاتا ہے۔ (امام) ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ تین شرائط پائے جانے کے بغیر دارالکفر نہیں ہو سکتا۔ ایک یہ کہ اس میں احکام کفر کا ظہور ہو، دوسرے یہ کہ وہ دار، دارالکفر سے متصل ہو اور تیسرے یہ کہ اس میں نہ کوئی مسلمان اور نہ کوئی ذمی، امان اول (امان المسلمین) کے ساتھ قائم ہو (یعنی مسلمان حکومت نے جو امان دی ہوئی تھی وہ قائم نہ رہے)۔ (اس کے برخلاف) ابو یوسف اور محمد (الشیبانی) نے فرمایا ہے کہ وہ دار صرف احکام کفر ظاہر ہوتے ہی دارالکفر ہوجاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارکفر میں اسلام اور کفر کی طرف نسبت ہے اس لیے جو چیز کہ اسلام یا کفر کی طرف نسبت کرتی ہے وہ اس (دار) میں اسلام یا کفر کا ظاہر ہونا ہے . . . اور اسلام اور کفر کا ظہور ان دونوں کے احکام کے ذریعے ہوتا ہے (یعنی اگر اسلامی احکام کا ظہور ہوگا تو وہ دارالاسلام کہلائے گا اور اگر احکام کفر کا ظہور ہوگا تو وہ دارالکفر کہلائے گا۔ چنانچہ جب دار میں احکام کفر ظاہر ہوں تو وہ دارالکفر ہو گیا اور نسبت صحیح ہوگئی۔ اسی طرح احکام اسلام کے ظہور کے سبب وہ دار، دار الاسلام ہوگیا۔(۵۴) امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دار کی

---

(۵۳) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۱۱۴ (باب المرتدین)

(۵۴) البدائع الصنائع، علاءالدین کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۱۳۰-۳۱

اضافت (نسبت) اسلام کی طرف یا کفر کی طرف اس بنا پر نہیں ہے کہ اس ملک میں اسلام یا کفر کا وجود ہے (جس کی وجہ سے ملک کو داراسلام یا دار کفر کہا جا رہا ہے)، بلکہ اضافت سے مقصود (اصلی) امن اور خوف کا وجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن حاصل ہے اور کفار کے لیے مطلقاً خوف موجود ہے تو اس ملک کو داراسلام کہا جائے گا۔ اور اگر کفار کو مطلقاً امن حاصل ہے اور مسلمانوں کو مطلقاً خوف لاحق ہے تو یہ دار کفر ہوگا۔ چنانچہ احکام کی بنیاد امان اور خوف پر رکھی جائے گی۔ اسلام یا کفر کی ذات کے وجود پہ نہ رکھی جائے گی۔ اس لیے (داراسلام یا دار کفر میں) امن طلبی کی ضرورت نہ محسوس ہو تو جو امان پہلے سے قائم تھی اس کو مطلقاً برقرار سمجھا جائے گا، لہذا ایسا ملک دار کفر قرار نہ پائے گا، اور جو امان علی الاطلاق ثابت شدہ ہو وہ اس وقت تک زائل متصور نہ ہوگی جب تک اس ملک کا اتصال دار کفر سے نہ ہوجائے۔ چنانچہ (امام ابو حنیفہ کے نزدیک) ایسے ملک کا دار اسلام سے دار کفر کی صفت اختیار کر لینا ان دونوں کے وجود پر موقوف ہوگا۔ . . . . اس کے ماسوی دار کی اضافت (نسبت) اسلام کی جانب اس معنی کا احتمال بھی رکھتی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے، اور اس معنی کا بھی احتمال رکھتی ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے اس ملک میں مطلقاً امن ثابت ہو، اور اہل ذمہ کے لیے ان کے ذمی اور طالب امن ہونے کی بناء پر امن حاصل ہو، پس اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو آپ نے بیان کی ہے تو اس معنی کی بناء پر جو آپ نے بیان کیے ہیں دار کفر ہوگا اور اگر اضافت کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے تو یہ ملک دار کفر نہ ہوگا، بلکہ اس طرح ہوگا جس طرح ہم نے کہا ہے۔ لہذا جو ملک یقینی طور پر دار اسلام تھا وہ مشکوک دلیل سے دار کفر قرار نہ پائے گا، بخلاف دار کفر کے، کہ وہ اسلام کے احکام کے اجراء سے داراسلام قرار پا جائے گا۔ الخ (۵۵)

---

(۵۵) البدائع الصنائع، امام کاسانی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۱۳۱-۱۳۰ (کتاب السیر)
فتاوی عالمگیری، نظام الدین، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۷۰ (کتاب السیر)

marfat.com

تجزیہ :

مندرجہ بالا اقتباسات کا تجزیہ کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ملک پر کفار غالب آگئے ہوں یا اہل ملک مرتد ہوگئے ہوں اور انھوں نے کفر کے احکام اس میں جاری کردیے ہوں، صاحبین کے نزدیک وہ ملک دارکفر قرار دیا جائے گا۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر اس ملک کے مسلمان اپنی سابقہ امان کی حالت میں برقرار ہوں اور اہل ذمہ بھی اپنے سابق عہد و پیمان کی بنا پر برقرار ہوں نیز اس ملک کا اتصال کسی دار کفر کے ساتھ نہ ہو تو فقط کفر کے احکام جاری ہونے سے وہ دار، دار کفر نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک اس ملک کے دار کفر ہونے کی محض ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ کفار کے غلبہ کے بعد احکام کفر کا اجراء ہو جائے۔ مسلمان اہل ملک غلبہ کے بعد جدید امان حاصل کرنے کے محتاج ہوں اور یہ ملک کسی دوسرے دار کفر سے متصل بھی ہو۔ اگر یہ تینوں امور موجود نہ ہوں تو دار کفر قرار نہ پائے گا۔ مثلاً اجراء احکام کفر ہوگیا، لیکن مسلمانوں کے لیے امان بدستور باقی ہو، اور کسی دارکفر کا اتصال بھی نہ ہو یا اجراء احکام کفر ہو گیا، اور دار کفر سے اتصال بھی ہے لیکن مسلمانوں کیلئے ان کی امان بدستور سابقہ حالت پر باقی ہے یا مسلمانوں کے لیے سابقہ امان باقی ہے، اجراء احکام کفر نہیں ہوا محض کفار کا غلبہ ہوگیا، کسی دار کفر کا اتصال ہے، یا نہیں ہے، ان تمام صورتوں میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دار کفر نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ کی بیان کردہ تعریف صاحبین کے مقابلے میں قابل‌ترجیح نظر آتی ہے۔

چنانچہ دارالاسلام اس وقت تک دارالاسلام رہے گا جب تک کہ مسلمانوں کا تسلط منقطع ہو کر مایوسی کی حد میں نہ داخل ہو جائے اور آثار و قرائن ایسے ہوں کہ مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کی کوئی امید باقی نہ رہے۔

موجودہ زمانے میں قومیت و وطنیت کا ایک نیا تصور پیدا ہوا ہے۔ مسلم

اور غیر مسلم اقوام بلا لحاظ ملک و ملت اپنے قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اس جدید تصور پر عمل پیرا ھیں۔ پر امن بقائے باھمی، انفرادی او جتماعی مذھبی آزادی، عام امن و امان قانون کی بالادستی اور مساوات، بین الاقوامی میثاق اور جذبہ خیر سگالی کے پیش نظر دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحات کا وہ مفہوم اور اثر علی الاطلاق اختیار کرنا جو متقدمین فقہاء کے نزدیک تھا، کس حد تک درست ھوگا، یہ مسٔلہ غور طلب ھے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان کے پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی نے اپنے ایک مقالے میں دارالحرب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ھے کہ ''دارالحرب کی ،، جو تعریف (کتب فقہ میں) بیان کی گئی ھے، نیز قرون اولی میں دارالحرب و دارالاسلام کے جو تعلقات تھے اور جو جنگی نتائج مرتب ھوئے تھے ان سب پر نظر ڈالنے سے ظاھر ھوجاتا ھے کہ آج کل کی سلطنتوں اور ریاستوں کو جہاں بدنظمی نہیں بلکہ ایک خاص نظام قائم ھے اور مسلمان با امن و امان رھتے ھیں بلکہ اپنی تعداد کے مطابق سیاسی امور میں بھی حصہ لیتے ھیں، دارالحرب قرار نہیں دیا جاسکتا۔،،(۵۶)

پاکستان کے ممتاز مفکر پروفیسر محمد شریف، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاھور نے بھی لکھا ھے کہ ''ھندوستان کا دستور اگرچہ سیکولر ھے لیکن اس میں عقیدہ، عمل اور مذھب، کی جو آزادی دی گئی ھے وہ بعینہ وہ ھے جو اسلام دیتا ھے۔ اس بناء پر لفظوں میں فرق ھے ورنہ پاکستان کی اسلامی ریاست اور ھندوستان، آسٹریلیا اور امریکہ کی سیکولر اسٹیٹ یہ سب ایک ھی ھیں۔،،(۵۷)

راقم الحروف کو ڈاکٹر معصومی اور پروفیسر محمد شریف کی ان آراء کو صحیح تسلیم کرنے میں تأمل ھے۔ ڈاکٹر معصومی کو یہاں مغالطہ ھوا ھے۔ وہ دارالحرب کی اصطلاح کو لفظ ''حرب،، کا تابع سمجھ کر امن و امان اور نظم ونسق کی صورت میں دارالحرب قرار دینے کے منکر نظر آتے ھیں، حالانکہ یہاں دارالحرب کی اصطلاح دارالکفر کے مترادف استعمال ھوتی ھے۔ اگر کسی ملک

---

(۵۶) ''الرحیم،، حیدرآباد (سندھ) پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، شمارہ جون، ۱۹۶۶ء، صص ۴۲-۴۱
(۵۷) اسلامک اینڈ ایجوکیشنل اسٹڈیز، لاھور محمد شریف، ص ۹

میں غیر مسلموں کا تسلط اور غلبہ ہے تو وہ ملک دارالکفر (دارالحرب) ہی کہلائے گا نہ کہ دارالاسلام—اسی طرح پروفیسر محمد شریف بھی مغالطہ کا شکار ہیں وہ محض عقیدہ اور عمل کی آزادی کو دارالاسلام کی علامت اصلی قرار دیتے ہوئے امریکہ اور پاکستان کو ایک پلڑے میں رکھتے ہیں— یہ خود ساختہ اصول ہے جو اسلام کی روح کے منافی ہے۔ پروفیسر موصوف کی اس تعمیم (generalization) سے ملل کفر و اسلام کا سرے سے کوئی جھگڑا ہی نہیں رہتا۔ یہ تخیل مغرب کی فسوں کاری کے سوا کچھ نہیں، جس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اسلام اور اسلامی حکومت کے بنیادی خد و خال کو اس طرح مسخ کر دے کہ مسلم قومیت کے تشخص کی بنیاد —— مذہب —— کا کوئی تعلق نظم مملکت سے وابستہ نہ رہے جس کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالکفر کا وہ بنیادی نظریہ قائم نہ رہنے پائے جو اسلام اور کفر کی حکومتوں کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔

نتیجہ فکر :

مندرجہ بالا مباحث کی روشنی میں عہد جدید کے تقاضوں اور قانون بین الاقوام کے موجودہ نظریات کے پیش نظر غالباً یہ تجویز کرنا اصول شرع کے خلاف متصور نہ ہوگا کہ موجودہ عہد میں دار الاسلام و دارالحرب کی اصطلاحات کے بجائے ''مملکت اسلامیہ'' و ''مملکت غیر اسلامیہ'' کی اصطلاحیں اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ان کے مابین نقطہ امتیاز یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جس مملکت میں اسلامی قوانین کو بالفعل یا بالقوۃ نافذ کیا جاسکے اور غیر مسلم رعایا اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے میں اس کی اجازت و منظوری کی محتاج ہو وہ ملک اسلامی کہلائے گا، لیکن جس مملکت پر غیر مسلموں کا اس طرح تسلط ہو کہ وہ مملکت اپنی مسلم رعایا کے احکام و قوانین نافذ کرنے پر بالفعل یا بالقوۃ قاصر ہو، اور مسلمان قوم کے افراد اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے میں اس کی اجازت کے محتاج ہوں تو وہ مملکت غیر اسلامی ہوگی۔

چنانچہ وہ تمام حکومتیں جن کے سربراہ اور عام رعایا غیر مسلم ہے اور مسلمان

marfat.com

اپنے دینی احکام پر عمل کرنے میں ان کی اجازت و منظوری کے محتاج ہیں غیر اسلامی حکومتیں کہلائیں گی، اگرچہ ان حکومتوں نے اپنے بعض عہدوں پر مسلم افراد کا تقرر ہی کیوں نہ کردیا ہو، کیونکہ یہ مسلم افراد حقیقی معنی میں احکام نافذ کرنے میں غیر مسلموں ہی کے محتاج ہوں گے۔

عہد حاضر میں حکومتوں کے باہمی تعلقات و معاہدات، معاشی حالات، ذرائع رسل و رسائل و حمل و نقل اور نقل وطن و ترک سکونت کی بنا پر مسلم و غیر مسلم حکومت و افراد کے مابین شخصی قانون بین الاقوام کے دائرہ میں جو مسائل پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارے علماء کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان ہی امور میں دو مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی میراث کا مسئلہ بھی شامل ہے۔

اختلاف دار۔ مانع ارث:

قدیم کتب فقہ کی رو سے دار (ملک) کا اختلاف بھی مانع ارث ہے یعنی ایک کافر ذمی دارالکفر میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں، تو باہم میراث جاری نہ ہوگی۔

میراث کے باب میں دارالاسلام و دارالکفر کے یہ معنی ہیں کہ ہر دو ممالک کے سربراہ اپنی فوج، قوانین، املاک اور حکومت میں ایک دوسرے سے اس درجہ استقلال رکھتے ہوں، کہ دونوں ملکوں کے سربراہ کسی وقت بھی ایک دوسرے کے مقابل تغلب سے کھڑے ہو سکتے ہوں، دونوں کے نزدیک ایک دوسرے کو جنگ کرنا جائز ہو ، کیونکہ ایسی حالت میں ان ملکوں کی باہمی عصمت منقطع ہوجاتی ہے۔(۵۸)

اختلاف دار غیر اہل اسلام میں معتبر ہے۔ مثلاً حربی، ذمی یا مستامن۔ اختلاف دار کی دو صورتیں ہیں۔ حقیقی اختلاف اور حکمی اختلاف۔ لیکن ہر ہر دو صورتوں کا حکم یہی ہے کہ یہ اختلاف ارث کا مانع ہوگا۔ البتہ مسلمانوں میں اختلاف دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے۔

---

(۵۸) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۹

marfat.com

اختلاف دار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دار الاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو، اور دوسرا دارالکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو۔ چنانچہ اگر وارث و مورث مختلف دار سے تعلق رکھتے ہیں تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں باہم وارث نہ ہوں گے۔ جیسے حربی و ذمی و ذمی مستا من جو مختلف ملکوں کے ہوں، کہ ایک داراسلام میں حکومت اسلام کا مطیع ہوکر جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو، اور دوسرا غیر مسلم دار الکفر کا شہری ہو تو ایک کو دوسرے کی میراث نہ ملے گی۔

بالفاظ دیگر دارالکفر میں غیر مسلم مرا تو دار الاسلام کا غیر مسلم شہری کا باپ یا بیٹا وارث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دارالاسلام میں ذمی (دار الاسلام کا غیر مسلم شہری) مرا تو دار الکفر میں رہنے والا اس ذمی کا باپ یا بیٹا اس کا وارث نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ان دونوں میں حقیقی معنی کے اعتبار سے اختلاف دار ہے، اگرچہ ملت میں متحد ہیں۔ اگر حربی (دارالکفر کا کافر شہری) دار الاسلام میں مال لے کر آیا۔ اور مرگیا تو اس سے وراثت کا رشتہ رکھنے والا ذمی اس کا وارث نہ ہوگا، بلکہ حربی کافر نے جو مال چھوڑا ہو اس کے ملک کو بھیج دیا جائے گا۔ اگر دارالاسلام میں ذمی فوت ہوگیا جس کا دارالاسلام میں کوئی وارث نہیں البتہ دار الکفر میں موجود ہے تو اس ذمی کا ترکہ بیت‌المال میں داخل کردیا جائے گا۔ دارالکفر کے رہنے والوں کو وراثت نہ ملے گی، کیونکہ ان میں حکماً اختلاف دار موجود ہے اگرچہ اس وقت دونوں ایک ہی ملک میں موجود ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی مسلمان دارالکفر میں جاکر مرے یا مسلم دارالاسلام میں مرے اور (اس کے مسلمان) وارث دارالکفر میں ہوں تو دارالاسلام کے وارث اس کے ترکہ کے وارث ہوں گے، کیونکہ اختلاف دارکا قانون غیر مسلموں کے لیے ہے، اسی طرح اگر ذمی کافر دارالکفر میں اجازت لے کر گیا اور اس کے ورثاء دارالاسلام میں موجود نہیں تو یہ دارالاسلام کا متروکہ بیت المال کا حق ہوگا، دارالکفر کے ورثاء کو نہ ملے گا۔(۵۹)

---

(۵۹) الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۰
البحر الرائق، ابن نجیم محولہ بالا، ج ۸، ص ۵۰۱
رد المحتار، ابن عابدین، مطبوعہ مصر، ج ۵، صص ۵۴۲-۵۴۳

marfat.com

امام شافعی کے نزدیک اختلاف دار مانع ارث نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی امام شافعی کے موافق ہے۔ مالکی کتب فقہ کی عبارتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک شافعیہ و حنبلیہ کے مطابق ہے، کیونکہ ان کی کتب میں اختلاف دار کے متعلق کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔(۶۰)

ظاہریہ :

علامہ ابن حزم سے بھی اختلاف دارین کے سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک بھی اختلاف دارین معتبر نہین معلوم ہوتا۔(۶۱)

مصری قانون :

مصری قانون المواریث ۷۷، ۱۹۴۳ع کی دفعہ ۶ کے تحت مذکور ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف دارین وراثت سے مانع نہ ہوگا نیز غیر مسلموں کے درمیان بھی مانع ارث نہ ہوگا الا یہ کہ دار اجنبی (غیر ملک) نے خود ہی (اپنے قانون کے تحت) ان کے باہم توارث کو ممنوع قرار دے دیا ہو۔(۶۲)

دفعہ ۶ ۔ دو مملکتوں کا اختلاف مسلمانوں کے حق میں وراثت کا مانع نہ ہوگا، اور نہ غیر مسلمین کے درمیان مانع ہوگا، الا یہ کہ کسی دوسری مملکت کا قانون اس میں مانع ہو۔

نتیجۂ فکر :

اختلاف دار کے مسئلہ میں مختلف مذاہب فقہ کے مطالعہ سے جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف دار کے سلسلہ میں احناف ایک غیر مسلم کا وارث صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب کہ وارث و مورث (غیر مسلم) میں کوئی اختلاف دار نہ ہو۔ اگر اختلاف دار موجود ہو تو غیر مسلم

---

(۶۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۶۹-۱۶۸

(۶۱) الاستبصار، طوسی، مطبوعہ نجف، ۱۹۵۶ع، ج ۴، صص ۹۰-۱۸۹

(۶۲) احکام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ، عمر عبداللہ، محولہ بالا، ص ۱۰۱

marfat.com

مورث (ذمی) کا ترکہ دارالکفر میں رہنے والے غیر مسلم (وارث) کو نہیں دیتے۔ اور یہی حکم اس کے برعکس صورت میں لگاتے ہیں یعنی اگر دارالکفر میں کوئی غیر مسلم مرجائے اور اس کا وارث غیر مسلم ذمی دارالاسلام کا شہری ہو تو اس صورت میں بھی ان کے نزدیک وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف، شافعیہ اور حنبلیہ غیر مسلموں کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ مالکیہ، ظاہریہ اور شیعہ مکاتیب فکر اس بحث میں خاموش نظر آتے ہیں۔ مصر میں رائج الوقت قانون کے تحت غیر مسلم کے درمیان اختلاف دار کو مانع ارث قرار نہیں دیا گیا، جب کہ اس سے قبل محاکم شرعیہ، ۱۹۱۰ع کی رو سے حنفی مذہب کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے اور اختلاف دار کو مانع ارث قرار دیا جاتا تھا۔

نتیجہ فکر:

بہ نظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مسلک سیاست شرعی کے اصولوں اور مصلحتوں کو اپنی تہ میں لئے ہوئے ہے جس میں ایک اسلامی ملک کی انتظامی مصلحتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آخر کوئی اسلامی مملکت، اپنے غیر مسلم شہری کے حق وراثت کو، جو اسے کسی غیر مسلم ملک میں اس کے کسی غیر مسلم مورث کے فوت ہو جانے سے حاصل ہوا ہو، کیونکر نافذ کرا سکتی ہے؟ اسی لئے علماء احناف نے اپنے غیر مسلم شہری کے لئے اختلاف دار کو مانع میراث قرار دیا ہے لیکن مسلمانوں میں اختلاف دار کسی کے نزدیک بھی مانع میراث نہیں ہے۔ البتہ غیر مسلموں کی میراث کے سلسلہ میں عصری تقاضوں کے پیش نظر، یہ استثناء کیا جا سکتا ہے کہ اگر دو مملکتوں یعنی مملکت اسلامی و مملکت غیر اسلامی کے درمیان کوئی معاہدہ قرار پا جائے جس کے تحت ہر دو ملک کے باشندوں کے لئے باہم استحقاق میراث کی قرار داد طے شدہ ہو، تو اسکے نفاذ میں بظاہر کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا، کیونکہ اس طرح ان غیر مسلموں کے حقوق کا اجراء ایک دوسرے کے ملک میں ممکن العمل ہو سکے گا۔ معاہدہ کی غیر موجودگی میں ایک مملکت دوسرے مملکت کے غیر مسلم شہری کے حقوق وراثت کے تسلیم کرنے سے منکر اور ان کے نفاذ میں مانع ہو سکتی ہے، جس کے نتیجہ میں استحقاق میراث بے اثر ہو سکتا ہے۔

marfat.com

لہذا راقم الحروف کے نزدیک، معاہدہ، کی مندرجہ بالا شق کے ساتھ، اس مسئلہ میں حنفی مسلک ہی النسب اور قرین صواب ہے۔

ارتداد

۳۰۲- (۱) ارتداد مانع ارث ہے۔ مرتد اور مرتدہ (مرد و عورت) اپنے مسلمان ورثاء کی میراث سے محروم ہوں گے۔

(۲) ارتداد اس مال کے حق میں جو مرتد نے بعد ارتدار حاصل کیا ہو، اس کے ورثاء کے حق میں مانع ارث ہوگا۔ یہ مال بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ البتہ مرتد کا مسلم وارث اس مال کا وارث ہوگا جو مرتد نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو۔

استثناء:- مرتدہ (عورت) کا حالت اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کا مال اس کے ورثاء کا حق ہوگا۔

تشریح

ارتداد:

سوانع میراث میں ارتداد بھی ایک سبب ہے۔ یہ مانع اصلاً نہیں ہے بلکہ بالتبع ہے کیونکہ شرط اسلام معدوم ہوجانے کے سبب دوسرے دین پر لوٹ جانے کا امر عارض ہوگیا ہے۔

مرتد کی تعریف:

جو شخص کلمہ کفر ادا کرنے کے بعد دین اسلام سے کسی دوسرے دین کی طرف رجوع کر جائے اس کو شرعی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے معنی ''واپس ہوجانے'' کے ہیں۔(۶۳)

مرتد کے مال کے بارے میں ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر:

مرتد اگر مارا جائے یا مرجائے یا دارالحرب میں رہ پڑے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کی میراث قرار پائے گا، اور جو کچھ حالت ارتداد میں کمایا ہے وہ بیت المال کی ملکیت ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ صاحبین کے نزدیک اسلام اور ردت دونوں حالتوں یا زمانوں کی کمائی میں مرتد کے مسلمان ورثاء وارث ہوں گے۔ امام شافعی (اور امام مالک) کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی بیت المال کی ملکیت

(۶۳) مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۶۸۲

marfat.com

ہوگی۔ ان کے ایک قول کے مطابق یہ ملکیت بطور مال غنیمت کے اور دوسرے قول کے مطابق بطور مال ضائع کے ہوگی۔(۶۴)

البتہ احناف کے نزدیک مرتدہ (عورت) مرجائے تو اس کا کل مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا خواہ وہ اس عورت نے مرتد ہونے سے پہلے کمایا ہو یا بعد میں۔

مسلمان جو مرتد کی میراث لیتا ہے وہ دراصل سد ذرائع اور منع احتیال (حیلہ سازی) کے طور پر ہے۔(۶۵)

مرتد کی زوجہ بشرطے کہ وہ مسلمان ہو، اس کی وارث ہوگی۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ اس کا مرتد شوہر مرجائے، درآں حالے کہ وہ عدت میں ہو۔ اگر مرتد اپنی مسلمان زوجہ کی عدت ختم ہونے کے بعد انتقال کرے یا مرتد نے اس سے صحبت ہی نہ کی ہو تو وہ میراث کی مستحق نہ ہوگی۔ (اصولی طور پر مرتد کی حیثیت ''زوجہ فار،، طلاق دیکر میراث سے بھاگنے والے شوہر کی زوجہ کی مثل ہے جو بصورت وفات شوہر (دوران عدت) وارث ہوتی ہے۔ اگر وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ مرتد ہوگئی ہو تو اس کو کچھ میراث نہ ملے گی، جس طرح کہ وہ اقارب جو مرتد ہوں مرتد کے وارث نہیں ہوتے)۔

مرتد ولایت کا اہل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ کسی سے میراث نہیں پاتا کیونکہ اس نے مرتد ہوکر گناہ (جرم و جنایت) کا ارتکاب کیا ہے۔ میراث سے بطور سزا محروم ہوجانا ارتداد کا شرعی صلہ ہے، جیسے کہ قاتل قتل ناحق کے سبب مقتول کے ورثاء سے محروم ہوجاتا ہے۔ امام مالک اور شافعی کےنزدیک مرتد نہ خود کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ دوسرا اس کی میراث لیتا ہے جو کچھ وہ چھوڑتا ہے، خواہ حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں، بیت المال کی ہوتا ہے۔

---

(۶۴) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، صص ۳۸-۳۷
الشریفیہ، شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا،ص ۱۳۰
مجمع الانہر، داماد آفندی، محولہ بالا، ج ۱، ص۶۸۲

(۶۵) المیراث، صبحی محمصانی، مطبوعہ، ص ۱۹۰

marfat.com

جب زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں اور پھر ان سے بچہ پیدا ہو، تو اگر مرتد ہونے کے دن سے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس کو میراث ملے گی، کیونکہ یہ امر اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ وہ اپنی ماں کے بطن میں اس وقت موجود تھا جب کہ اس کے والدین مسلمان تھے اس لیے وہ اسلام کا تابع قرار دیا جائے گا اور ماں باپ کے مرتد ہوجانے سے مرتد قرار نہیں دیا جائے گا، جب کہ وہ دارالاسلام میں رہے۔ چونکہ اسلام کا حکم بطریقہ تبعیت دار کے ابتداءً ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کا باقی رہنا اولی ہوگا، لہذا جب بچہ مسلمان رہا تو وہ مرتد کے ورثاء میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر وہ بچہ یوم‌ارتداد سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا تو وہ اپنے مرتد والدین سے میراث پانے کا مستحق نہ ہوگا، اگرچہ ان دونوں کے درمیان نکاح قائم ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں نطفہ کا قائم ہونا قریب ترین وقت سے لیا جائے گا اور قریب ترین وقت (باعتبار کم از کم مدت حمل) چھ ماہ ہے۔ چنانچہ جب بچہ کا نطفہ مرتد کے قطرہ منی سے قائم ہوا تو وہ بچہ بھی اپنے والدین کے ساتھ مرتد کے حکم میں ہوگا۔(٦٦)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک جب کہ مرتد ردت پر قائم رہتے ہوئے مر جائے یاقتل کر دیا جائے تو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ حکم کے اس جزو میں وہ امام مالک و شافعی سے متفق ہیں۔

اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو ان کے درمیان باہم وراثت جاری نہ ہوگی خواہ وہ دارالحرب میں چلے گئے ہوں یا دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ امام مالک و شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

جو بچہ مرتد ہوجانے کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا ہو، امام احمد کے نزدیک اس کا غلام بنا لینا جائز ہوگا، (جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک بچہ مرتد کا تابع ہوگا اور وارث نہ ہوگا)۔ یہی قول امام شافعی کا ہے۔

جب مرتد دارالکفر میں چلا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مال موقوف

---

(٦٦) المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۷
الشریفیہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۱

marfat.com

رکھا جائے گا۔ اگراسلام لے آیا تو مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر مرگیا تو وہ غنیمت تصور کیا جائے گا۔ یہی قول امام مالک اور شافعی کا ہے۔ اہل عراق اس کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک دارالکفر میں چلا جانا ہی زوال ملک کا سبب ہوگا، اس لیے مرتد کی واپسی کے بعد مال واپس نہ ہوگا بلکہ جس طرح اس کی موت کی صورت میں اس کے اقرباء کے تصرف میں آجاتا ہے اسی طرح ان کے تصرف مین آجائے گا۔ اگر اسلام کی طرف واپس آجائے تو جو مال باقی ہوگا وہ لے لے گا، اور ورثاء نے جو صرف کر دیا ہوگا وہ واپس نہ ہوگا۔(۶۷)

شیعہ امامیہ :

شیعہ امامیہ کے نزدیک مرتد کسی مسلم کا وارث نہ ہوگا لیکن مسلم مرتد کا وارث ہوگا۔ لیکن ترکہ کس وقت تقسیم کیا جائے گا اس کے متعلق امامیہ کے یہاں دیگر مذاہب کے مقابلے میں ایک نئی تفصیل پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک ایک پیدائشی کافر مسلمان ہوکر پھر اپنے اسی دین کی طرف لوٹ جائے تو اس کا ترکہ فوری قابل تقسیم قرار دیا جائے گا خواہ قتل کر دیا گیا ہو یا زندہ ہو بشرطے کہ مرد ہو، لیکن اگر عورت ہے تو تاوقتیکہ فوت نہ ہو جائے اس کا ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔

اور اگر پیدائشی مسلمان مرتد ہوجائے تو اس کا ترکہ قتل یا موت سے قبل تقسیم نہ کیا جائے گا، البتہ اس کی زوجہ عدت کا زمانہ پورا ہونے کے بعد بائنہ ہوجائے گی۔(۶۸)

ظاہریہ :

ظاہریہ کے نزدیک مرتد کا نہ کوئی وارث ہوسکتا ہے نہ مرتد کسی کا وارث ہو سکتا ہے۔ جو مال چھوڑے گا وہ مسلمانوں کے بیت المال کا حق ہوگا۔ خواہ اسلام کی طرف رجوع کرے یا نہ کرے یا ارتداد کی حالت میں مرجائے یا قتل کردیا جائے یا دارالحرب میں منتقل ہو جائے۔ لیکن وہ مال

---

(۶۷) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۷۸-۷۷

(۶۸) شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر الحلی، محولہ بالا، ج ۲، القسم الرابع، صص ۸۲-۱۸۱

marfat.com

جو اس کے قتل یا موت کے بعد حاصل ہو وہ اس کے کافر ورثاء کا حق ہوگا۔(۶۹)

پاکستانی قانون :

پاکستان میں اگرچہ اسلامی قانون وراثت کا، مسلمانوں کے منجملہ دیگر شخصی قوانین کے، مختلف اطلاقی ایکٹوں کے ذریعہ نافذ و رائج ہونا قرار دیا جا چکا ہے، لیکن مرتد کی میراث کے مسئلہ میں شریعت کے خلاف عمل درآمد ہو رہا ہے۔ شرع اسلام کا یہ ایک واضح حکم ہے کہ جو مسلمان مرتد ہو جائے وہ میراث سے محروم ہو جاتا ہے مگر یہ حکم مذہبی آزادی کے ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ع کے سبب نافذ نہیں ہو سکتا، جس کے تحت کسی شخص کا اپنے دین سے منحرف ہوکر دوسرا دین اختیار کر لینا اس کے حقوق کو متاثر نہیں کرتا اس لیے وراثت کے احکام میں شرعی قانون کا اطلاق ہونے کے باوجود مرتد کے اطلاقی احکام میراث آج بھی عدالتوں کے ذریعہ نافذ نہیں کرائے جاسکتے۔ ضرورت ہے کہ ۱۸۵۰ع کا مذکورہ ایکٹ منسوخ کیا جائے۔

تجزیہ :

''مرتد کی میراث،، کے مسئلے کے دو جزو ہیں :

۱۔ مرتد کا خود میراث سے محروم ہوجانا،

۲۔ اس کے مسلمان ورثاء کا وارث ہونا۔

جہاں تک مسئلے کے پہلے جزو کا تعلق ہے اس میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد خود میراث سے محروم ہوگا۔ البتہ دوسرے جزو میں یہ اختلاف ہے کہ احناف حالت اسلام اور حالت ارتداد میں کمائی ہوئی دولت میں فرق کرتے ہیں جب کہ دیگر آئمہ ایسے فرق کے قائل نہیں۔ احناف کے نزدیک حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا اور حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال بیت‌المال کی ملکیت ہوگا، بشرطیکہ مرتد مرد ہو، البتہ عورت کی صورت میں دونوں حالتوں میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا حق ہوگا۔ اس کے بر خلاف ائمہ ثلاثہ کل مال بیت المال کی ملکیت قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مرد ہو

---

(۶۹) المحلی، ابن حزم، محولہ بالا، ج ۶، جزء ۹، ص ۳۰۱

یا عورت۔ شیعہ امامیہ بھی اس بارے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ البتہ وہ میراث ایک مقررہ وقت تک روکنے کے قائل ہیں جس سے (غالباً) یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ وہ بلا امتیاز حالت مسلمان ورثاء کے استحقاق کے قائل ہیں۔ ظاہریہ جس طرح مرتد کو کسی مسلمان کا وارث نہ ہونا جملہ مذاہب کے مطابق تسلیم کرتے ہیں وہاں اس نقطہ نظر کے قائل نظر آتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہ ہوگا۔ جیسا کہ وہ کافر کی میراث میں قائل ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک کافر و مرتد کی میراث کے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں۔ مصالح شرعی کے اعتبار سے حنفی نقطہ نظر قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ: اس باب میں دارالاسلام، دارالکفر، دارالحرب وغیرہ کی جو تعریفات بیان کی گئی ہیں وہ ائمہ احناف کے نظریہ کے مطابق ہیں۔ دیگر ائمہ کی کتب میں باوجود تلاش تفصیلات نہ مل سکیں۔

اشتباہ مورث و وارث

۳۰۳۔ ایک ساتھ غرق ہو جانے والے یا دب کر مر جانے والے یا آگ میں جل کر مرنے والے جب کہ ان کے درمیان ورثاء کا رشتہ قائم ہوتا ہو، باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، بشرطیکہ ان میں یہ پتہ نہ چل سکتا ہو کہ کون پہلے فوت ہوا، اور کون بعد میں۔ ایسی صورت میں ان کا ترکہ ان کے ذی حیات ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

تشریح

موانع میراث کی بحث میں تبعاً اشتباہ وارث و مورث بھی ایک سبب مانع میراث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وارث و مورث ایک ساتھ مرے اور ان کے انتقال کی تاریخ یا وقت میں تقدیم و تاخیر کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلاً چند اقارب جو باہم وارث ہوں ایک ساتھ دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جائیں یا کشتی یا ہوائی جہاز میں سوار ہوں اور کشتی کے ڈوبنے یا جہاز کے گر جانے سے سب مرجائیں یا لڑائی میں مارے جائیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون

(۷۰) المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، ص ۱۸۶
خلاصۃ الفتاوی، طاہر بن محمد، مطبوعہ دہلی، جلد دوم، ص ۳۲۰

marfat.com

پہلے مرا اور کون بعد میں، ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے جیسے کہ باپ، بیٹا ایک ساتھ ہوائی جہاز کے حادثہ میں مرگئے تو باپ بیٹے کا یا بیٹا باپ کا وارث نہ ہوگا بلکہ باپ کا ترکہ اس کے موجودہ وارثوں میں اور بیٹے کا اس کے موجودہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ یہ مسلک حنفیہ کا ہے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔(۷۰)

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ جب یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کون مرا تو ان میں سے بعض دوسرے بعض کے وارث نہ ہوں گے۔ ان سب کی میراث ان کے زندہ وارثوں کے لیے ہوگی۔ یہی فیصلہ زید بن ثابت نے یمامہ کے مقتولین اور طاعون عمواس اور مقتولین الحرہ کے سلسلے میں دیا تھا۔ حضرت علی سے بھی جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل ہوجانے والوں کی میراث کے سلسلے میں یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ یہی قول حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد آثار صحابہ اور قیاس پر قائم ہے۔ استحقاق میراث کا سبب مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا ہے۔ بطور مثال اگر زید اور عمر جو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے تھے ایک ساتھ آگ میں جل مرے۔ اگر زید کو عمر کا وارث قرار دیا جائے تو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ عمر پہلے مرا اور زید بعد کو۔ ایک ساتھ جل کر مرجانے یا ڈوب کر مرجانے کے سبب یقینی طور پر عمر کی موت کا تقدم یا تاخر ثابت نہیں کیا جا سکتا، لہذا بلا تقدیم و تاخیر مرجانے والوں کی میراث ان کے موجود ورثاء میں تقسیم ہوگی۔(۷۱)

---

(۷۱) الشریفہ شرح سراجیہ، سید شریف جرجانی، محولہ بالا، ص ۱۳۲

المبسوط، امام سرخسی، محولہ بالا، ج ۳۰، ص ۳۷

المہذب فقہ شافعی، ابی اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیروز آبادی الشیرازی، محولہ بالا، ج ۲، ص ۲۶

المغنی، ابن قدامہ مقدسی، محولہ بالا، ج ۷، صص ۸۸-۱۸۹

marfat.com

مصری قانون :

دفعہ ۳ ۔ جب دو شخصوں کا یکدم انتقال ہوا اور یہ پتہ نہ چلے کہ پہلے کون فوت ہوا تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر وراثت کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا مختلف حادثوں کا۔

شام کا قانون :

دفعہ ۲۶۱ ۔ جن دو شخصوں کی کسی ایک یا چند حادثوں میں اس طرح موت واقع ہو کہ یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی تو ایسے دو شخصوں کے درمیان باہم وراثت کا سلسلہ جاری نہ ہوگا۔

تونس کا قانون :

دفعہ ۸۶ ۔ جب دو شخصوں کا انتقال ایک دم ہوجائے اور یہ نہ معلوم ہوسکے کہ پہلے کس کا انتقال ہوا تو ان دونوں کے درمیان ایک کو دوسرے کی میراث پانے کا حق نہ ہوگا، خواہ ان کی موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا دو حادثوں کا۔

مراکش کا قانون :

دفعہ ۲۲۲ ۔ جب چند افراد ایک ساتھ فوت ہوں جن میں ایک دوسرے کا وارث تھا اور ان کی وفات کا تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو ان میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، خواہ موت ایک حادثہ کا نتیجہ ہو یا چند حادثوں کے۔

★ ★ ★

marfat.com